زنداں کے باسیوں کو سلام

میں آپ کو مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ اس ظالم اور سختی کے زمانہ میں بھی آپ صحیح بات کہنے سے گریز نہیں کرتے۔ اور حق و انصاف کا پرچم بلند کر رکھا ہے میں آپ کو اور آپ کے دیگر مجاہد ساتھیوں کو سلام عقیدت پیش کرتا ہوں۔ خدا گواہ ہے کہ آپ کی تعریف میں جو کچھ لکھ رہا ہوں وہ میرے دل کی آواز ہے سیاسی سرگرمیوں پر پابندی کے دوران بھی آپ کی زبان پر لکنت اور قلم میں مصلحت نہ آئی۔ ہماری دعا ہے کہ آپ اسیطرح جرأت رندانہ سے ملک اور قوم دشمنوں کو بے نقاب کرتے رہیں

قومی حکومت کی بات چل رہی ہے نوکر شاہی اور موجودہ برسر اقتدار طبقہ میں گٹھ جوڑ ہونے والا ہے لیکن ہم مشورہ دینا چاہتے ہیں کہ عوام کی حمایت بغیر کوئی نام نہاد انتظام دیر پا ثابت نہیں ہو گا سیاسی بحران کا واحد حل آزادانہ اور منصفانہ انتخابات ہیں۔ عوام اتنے باشعور ہو چکے ہیں کہ وہ کھوٹے کھرے کی پہچان کر سکتے ہیں پاکستان میں ترکی ایجنٹوں کے دن بہت تھوڑے رہ گئے ہیں عوام انہیں ایسا سبق دیں گے۔ کہ وہ تا قیامت یاد رکھیں گے۔ پیپلز پارٹی اور بھٹو کے خلاف انتظامیہ کی یکطرفہ کارروائی اور سختیوں نے ان لوگوں کا بھانڈہ پھوڑ دیا ہے جو آسمانی انصاف کا ڈھول پیٹتے تھے۔ اگر اس ملک میں عوام کی تمناؤں کے خلاف کوئی بات ہوئی تو خدا گواہ ہے پورا ملک ایک ایسے بحران میں مبتلا ہو جائے گا جس سے بچ نکلنا ممکن نہ ہو گا میں ان تمام لوگوں کو سلام کرتا ہوں جو جیلوں کی اندھیروں میں سلامتی کے لیے قربانیاں دے رہے ہیں اور پس دیوارِ زنداں ہیں۔

بدر الدین۔ لاڑکانہ

پٹ فیڈر میں ظلم

پٹ فیڈر کے کسانوں کے مطالبات کے ... طلبار مزدور کسان رابطہ کمیٹی کراچی ... سے بھوک ہڑتالیوں کو گرفتار کرنے کی سخت مذمت کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ ... میں مزدوروں کی بے روزگاری تالابندی چھانٹی اور مہنگائی جیسے مسائل پر مزدور طبقہ جدوجہد کر رہا ہے اسی طرح کسانوں کی بھی حالت خراب سے خراب تر ہوتی جارہی ہے۔ کسانوں کو زمین سے بے دخل کیا جارہا ہے اور انہیں مجبور کیا جارہا ہے کہ وہ جاگیرداروں کے خلاف جدوجہد نہ کرسکیں۔ لیکن مزدور، کسان، طلبار ظلم و تشدد کے خلاف اپنی جدوجہد جاری رکھیں گے۔ پٹ فیڈر کے کسانوں کی حمایت میں گرفتار کیے گئے پیپلز اسٹوڈنٹس فیڈریشن ضلع نصیر آباد کے ضلعی صدر مسٹر نصر اللہ بلوچ طلبار مزدور کسان رابطہ کمیٹی کراچی کی سکریٹری آصف رضوی، مزدور رہنما محمد رمضان، غلام اکبر، عمر دین، الطاف الرحمان، حیدر آباد کے مزدور رہنما محمد زمان، محمد حسن، غلام قادر، اسلم، سندھ نیشنل اسٹوڈنٹس فیڈریشن کی حمید گھنگرو، پیر شہاب الدین کسان رہنما پیر بخش سامت، غلام قادر منیگل، گلزار ڈومکی، ہزار خان، بنگلزئی، شیر محمد منیگل، محمد عطار کو فوری طور پر رہا کیا جائے اور جن لوگوں کو سزائیں دی گئی ہیں ان کی سزائیں منسوخ کی جائیں۔ چار نظر بند رہنماؤں مسٹر نصر اللہ بلوچ، محمد زمان، محمد حسن، غلام قادر سے ملاقات کی بھی اجازت نہیں ملتی ہے۔ ان کے پاؤں میں بیڑی بھی لگائی گئی ہے سیاسی رہنماؤں کے ساتھ غیر انسانی سلوک بند کیا جائے۔ اور ان رہنماؤں کو پولیس تھانہ سے تبدیل کر کے کسی جیل میں منتقل کیا جائے۔

محراب راجہ، جہان محمد، اللہ ڈنو اور محمد اسلم جھٹ پٹ۔

طلبار اور الفتح

ماضی میں اور اب بھی پاکستان میں ترقی پسند حلقوں میں آپکے پرچے کی کارکردگی کسی سے ڈھکی چھپی نہیں۔ اور بات یہاں تک ہے کہ این ایس ایف پاکستان کے ترقی پسند انقلابی طلبار ایک طرف تو اس کا مطالعہ کر کے اپنا نظریاتی شعور بلند کرتے ہیں تو دوسری طرف اس کا مطالعہ کر کے اپنا نظریاتی شعور بلند کرتے ہیں

اپنے مختلف یونٹوں کی کارکردگی سے آگاہ ہونے ہیں اسی بات کے پیش نظر آپ کو ماضی میں اور اب بھی ہم این ایس ایف کے یونٹوں کے انقلابی ورک کے متعلق خبریں بھیجتے رہتے ہیں اور آپ نے بھی ہمیشہ کرم فرمائی کی۔

تسور بٹ ساہیوال

ہم چپ کیوں نہ رہیں؟

امریکی اخبار ٹائمز کا مطالبہ پورا کر دیا گیا ہے عام آدمی خاموش ہیں۔ یہ خاموشی افسوسناک سہی مگر تعجب انگیز نہیں ہے ہم اسی قوم کے افراد ہیں جس نے کربلا میں نسل حسین کا نظارہ کامل سکون سے دیکھا تھا۔ جس نے واسط میں محمد بن قاسم اندلس میں طارق بن زیاد کو خاک و خون میں ملتے دیکھنے پر چپ سادھ لی تھی۔ تو پھر آج بھی ہم چپ کیوں نہ رہیں۔؟

محمد جاوید۔ کوہاٹ۔

تم تنہا نہیں ہو

ہم سامراجی ممالک اور ان کے حواریوں کی سازشں کامیاب نہ ہونے دیں گے۔ ابھی اس راہ میں لاکھوں افراد اپنی ہتھیلی پر سر رکھے اپنی باری کے منتظر ہیں۔ سلاخوں کے پیچھے بھٹو تنہا نہیں ہے وقت کی رفتار ایک جگہ نہیں ٹھہرتی ہمیشہ آگے بڑھتی رہتی ہے ہمارے گھروں میں کئی روز سے فاقہ ہے چولہا نہیں جلا۔ چھوٹے اور معصوم بچے بھی نیند میں بھٹو کا نام لیتے ہیں۔ کیا لکھوں۔ کیسے لکھوں سمجھ میں نہیں آتا۔

عبدالجبار میمن مہران انجینیرنگ یونیورسٹی جامشورو۔

جماعتیوں پر کوئی پابندی نہیں

آج پاکستان پر جو سامراجی بادل ظالمانہ طور پر چھا رہے ہیں اس کے نتیجے میں کل کا پاکستان سامراجیوں کا قبرستان بن جائے گا۔ پاکستان کے سابق وزیر اعظم اسلامی سربراہ کانفرنس، چیرمین، تیسری دنیا کے لیڈر طلبار مزدور، کسان کے ساتھی۔ ذوالفقار علی بھٹو کو سزائے موت سنادی گئی ہے۔ آج پاکستان کے سیاستدانوں کی خاموشی یا سزا کی حمایت معنی خیز ہے۔ آج اگر بھٹو کو سزا ہوتی ہے تو کل دوسرے لیڈر بھی اس کی زد میں آئیں گے۔ آج اگر پیپلز پارٹی پر ضرب لگتی ہے تو کل دوسری پارٹیوں کا بھی یہی حال ہو گا۔ کہا گیا تھا کہ ایک مہینے تک سیاسی بیان پر پابندی ہے۔ مگر اس کا اطلاق سب پر کیوں نہیں ہے؟ جماعت اسلامی کے منور حسن، محمود اعظم فاروقی، عبدالقدوس بہاری، جمعیت علمائے پاکستان کے مولانا ستار نیازی، مفتی محمود، ظہور الٰہی سردار قیوم وغیرہ پر پابندی کیوں نہیں ہے۔ وہ کس حیثیت سے بیان دے رہے ہیں۔ کس کے اشارے پر سفیروں کو پیغام بھیجا جارہا ہے آخر اس کے پیچھے کس کا ہاتھ کارفرما ہے؟ آج پاکستان میں بائیں بازو کو جس طرح کچلا جا رہا ہے طلبار، مزدور کسان خواتین کو جس طرح اذیت ناک سزا دی جارہی ہے اور کوڑے مارے جارہے ہیں اس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔ اتنا تو انگریزوں نے بھی نہیں کیا۔ میں بائیں بازو کے رہنماؤں جناب جے اے رحیم، جناب ڈاکٹر مبشر حسن، جناب خورشید حسن میر، جناب معراج محمد خان، جناب محمود نواز بابر مختار رانا، جناب تاج محمد لنگاہ، جناب فتحیاب علی خان، جناب سجاد اسحٰق، جناب افضل بنگش جناب شیخ محمد رشید، جناب سی آر اسلم، جناب جام ساقی اور دیگر مزدور کسان لیڈروں سے پرزور اپیل کرتا ہوں کہ آپس کی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنانے کی بجائے ایک عالیشان محل تعمیر کریں جس کے نیچے بائیں بازو کے محب وطن لوگ جمع ہو کر سامراجی سازشوں کے جال کو توڑ دیں

ایک شہری کراچی۔

طلبار کے خلاف سازش

بلوچ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن (BSO) پختون اسٹوڈنٹس فیڈریشن، سندھ نیشنل اسٹوڈنٹس فیڈریشن اور فیڈریشن آف پنجاب اسٹوڈنٹس کی مرکزی تنظیم پی ایف یو ایس کے قائم مقام چیرمین سلیم شاکر، سیکریٹری جنرل نذیر عباسی اور وائس چیرمین جبار خٹک نے اپنے ایک مشترکہ بیان میں اس بات پر تشویش کا اظہار کیا ہے کہ آج جبکہ ملک بھر میں طلبار یونینوں کے انتخابات ہو رہے ہیں ہزاروں ترقی پسند اور جمہوری پسند طلبہ کو گرفتار کیا جا چکا ہے۔ نیز سینکڑوں کارکنوں کے گھروں پر پولیس کے چھاپے مار رہی ہے اور ان کے خلاف مقدمات قائم کیے جا رہے ہیں۔ ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ہو رہے ہیں تاکہ ایک مخصوص رجعتی جماعت کو خصوصاً پنجاب اور کراچی میں طلبار یونینوں پر قابض کرایا جاسکے پی ایف یو ایس کے رہنماؤں نے مطالبہ کیا گیا ہے کہ اگر حکومت طلبہ یونینوں کے انتخابات غیر جانبدارانہ اور منصفانہ کرانا چاہتی ہے تو تمام گرفتار شدہ طالب علموں کو رہا کیا جائے۔ ان کو دی گئی سزائیں منسوخ کی جائیں اور ان پر قائم مقدمات ختم کیے جائیں۔ تعلیمی اداروں میں جمہوری اور آزادانہ فضا قائم کرنے کے لیے نوکر شاہی کی مداخلت ختم کی جائے۔ پولیس کو تعلیمی اداروں سے ہٹایا جائے تعلیمی اداروں سے غنڈہ عناصر کا اخراج کیا جائے نیز طلبار پر حملوں کی تحقیقات کرائی جائے بالخصوص ایف سی کالج کے طالب علم امین اللہ اور کراچی یونیورسٹی کے ترقی پسند طلبار کو شہید اور زخمی کرنے والے عناصر کو گرفتار کیا جائے۔ اور سزائیں دی جائیں ترقی پسند اور جمہوری طلبار کے اخراج کا سلسلہ تعلیمی اداروں سے بند کیا جائے۔

سلیم شاہد۔ لاہور

سیاست پر پابندی

پہلی مارچ سے سیاسی سرگرمیوں پر پابندی ہے ۹ مارچ سے اس میں غیر معینہ مدت تک توسیع کردی گئی۔ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ دو طرفہ ٹریفک ہے۔ یہ پابندی صرف پی پی پی پر ہے مخالف جماعت والے آزادی سے سیاسی بیانات دے رہے ہیں۔ کچھ اسلام کا سہارا لیکر اسلام کو بدنام کر رہے ہیں۔ اور مذہب کو سیاسی رنگ دے رہے ہیں۔ اور جو سچ بات لکھتے ہیں ان پرچوں پر پابندی لگائے جاتے ہیں۔ ان کے ایڈیٹروں کو گرفتار کر کے جیل میں ڈالا جاتا ہے۔ کیا یہ آزادی صحافت ہے، غریبوں، وکلار، طلبار،

باقی صفحہ ۴۳ پر

ایڈیٹر
وہاب صدیقی

ایسوسی ایٹ ایڈیٹر
واحد بشیر

کالم نگار
حسین نقی
شبیہہ الحسن

سچ جھوٹ
امر جلیل

طنز و مزاح
ابو ضیا اقبال

اسلام آباد
حمید شیراز

صوبائی نمائندے
احسان عظیم
سندھ مقیم حیدرآباد
کاشف
پنجاب مقیم لاہور
شہزاد غزنوی
سرحد مقیم پشاور
ناصر عرفات
بلوچستان مقیم کوئٹہ

خاص مضامین

خدا کی بستی کے مظلوم عوام کا ترجمان

ہفت روزہ
الفتح
کراچی

۷-۱۴ اپریل ۱۹۷۸ء	جلد: ۸ شمارہ: ۴۸	ٹیلیفون ۴۳۲۲۷۴	قیمت تین روپے

ضلعی نمائندے

○ محبوب احمد، میرپورخاص ○ ایاز سندھی، سانگھڑ ○ ابراہیم عباسی، خیرپور، سکھر، جیکب آباد، لاڑکانہ
○ کامل سمون، ٹنڈوالہیار ○ ناصر زیدی، ملتان ○ [illegible] سعید، فیصل آباد، گوجرانوالہ ○ محمد افضل جنجوعہ
○ قاضی غیاث الدین جانباز شیخوپورہ، ٹوبہ ٹیک سنگھ ○ سلیمان شیروف، گوادر ○ روشن ملک میانوالی ○ سید نذیر گیلانی آزاد کشمیر

غیر ممالک

▪ پیکنگ، رشید بٹ ▪ ماسکو، محمد زاہد ▪ کینیڈا، سید ابن سعود ▪ لندن، عبدالحفیظ قریشی
▪ متحدہ عرب امارات مقیم دبئی، غلام جیلانی

انتظامی امور
وقیع احمد صدیقی

آرٹسٹ
سعیدالدین

ارشاد راؤ پبلشر نے ناظر پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر دفتر
ہفت روزہ الفتح ۲۰-۵ ڈی نرسری کمرشل ایریا، پی، ای، سی، ایچ، ایس کراچی ۲۹ سے شائع کیا

اُلجھن کا حل

جمعرات سے لوگ چاہیں گے کہ یقین کیا جائے لیکن حقیقت اپنی جگہ حقیقت۔ اس ہفتے کی سب سے بڑی حقیقت یہ ہے کہ ایک وعدہ پورا ہوا یعنی یکم اپریل ۱۹۷۸ء سے ۴۸ گھنٹے پہلے بلکہ اس سے بھی کچھ اور پہلے یہ فیصلہ ہو گیا کہ سیاسی سرگرمیوں پر غیر معینہ مدت مدت کے لیے پابندی نافذ رہے گی۔

ہمیں علم نہیں کہ بڑے سیاست کار یعنی انتخابات یا کسی اور طرح اقتدار کی کرسی تک پہنچنے کی کوشش میں مصروف حضرات کا کیا ردّعمل ہے۔ کیونکہ ان کا ردّعمل نہ تو جلسوں اور تقریروں کے ذریعے نہ بیانات اور انٹرویو وغیرہ کے ذریعے عام شہریوں تک پہنچ سکتا ہے۔ اس کے باوجود یہ سوال غور طلب ہے کہ کیا سیاسی سرگرمیوں پر پابندی عائد ہو سکتی ہے؟ آج ملک کے عام لوگ، اپنی سوجھ بوجھ کے مطابق ملک کی سیاست پر گفتگو کرتے ہیں۔ جہاں دو آدمی ملتے ہیں ذاتی اور خاندانی معاملات سے زیادہ ملکی سیاست پر گفتگو ہوتی ہے۔ اس طرح سیاسی سرگرمی منتشر صورت میں جاری ہے اور یہ ایسی صورت ہے جس پر پابندی لگائی ہی نہیں جا سکتی۔ یہ تو تھی عام شہریوں کی بات۔ اس سے ہٹ کر بھی سیاسی عمل جاری ہے۔ ٹریبونلوں میں سیاسی لوگوں پر مقدمے چلائے جا رہے ہیں اور جواب میں وہ لوگ اپنی صفائی کے ساتھ ساتھ اپنا سیاسی مؤقف بھی پیش کر رہے ہیں۔ اعلیٰ سطح پر بریفنگ، الیکشن سیل کے مذاکرات اور اب سردار عبدالقیوم کی قومی حکومت کی تشکیل کی کوششوں کی صورت میں سرگرمیاں جاری ہیں کیا انہیں سیاسی سرگرمیوں کی تعریف سے خارج کیا جا سکتا ہے؟ دوسری طرف پابندیوں کی خلاف ورزی یا خلاف ورزی کے اندیشے کے تحت سزاؤں، گرفتاریوں اور نظر بندیوں کا سلسلہ جاری ہے۔ ان حالات میں اگر یہ نتیجہ اخذ کیا جائے۔ اس پابندی کا مقصد صرف عوام کو اپنے خیالات و جذبات کے اجتماعی اظہار سے روکنا ہے تو کیا غلط ہو گا۔

دوسری بات جو غور و فکر کی متقاضی ہے وہ "غیر معینہ مدت" کی اصطلاع ہے۔ جس کے استعمال میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے اور ہر اضافے کے ساتھ بے یقینی کی فضا اور بوجھل ہوتی جا رہی ہے، یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ بے یقینی، شکوک و شبہات اور وسوسوں کو تیزی سے پروان چڑھاتی ہے اور قومیں زیادہ عرصے تک اس کیفیت میں گرفتار نہیں رہ سکتیں اور ان کا ردّعمل بعض اوقات بدترین اندیشوں سے بھی آگے بڑھ جاتا ہے۔ جب مشوروں پر توجہ دینے اور غور کرنے کا یقین نہ ہو تو مشورہ دینا کارِ عبث ہوتا ہے۔ اس کے باوجود ہمیں یقین ہے کہ وہ حلقے جو اپنے ذاتی اور گروہی مفادات پر قومی مفادات کو ترجیح دیتے ہیں اور عقلِ کل ہونے کے واہمے میں مبتلا نہیں ہیں۔ اس الجھن کا حل تلاش کرتے پر ضرور توجہ دیں گے۔

پرانی سیاست گری خوار ہے

منہاج برنا

قانون کے محافظ بھی آئین اور قانون کی دھجیاں بکھیرنے والے بھی

بلٹوں سے انتخابات کا مطالبہ کرنیوالے غیر منتخب قومی حکومت میں شامل ہو رہے ہیں

• لیجیے آزاد کشمیر کے سردار عبدالقیوم صاحب پھر میدان میں آگئے ہیں۔ مشن ان کا یہ ہے کہ پیپلز پارٹی کو چھوڑ کر ملک کی "جملہ" سیاسی جماعتوں کو آمادہ کریں کہ وہ جنرل ضیاء الحق صاحب کی تجویز کردہ "قومی حکومت" میں شامل ہو جائیں۔ اور مارشل لا انتظامیہ کی چھتری کے نیچے حکومتی ذمہ داریاں سنبھال لیں۔ اس مرتبہ سردار صاحب کے ذمے کام ذرا مشکل سا ہو گیا ہے۔ تاہم کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ وہ پاکستان کے سیاسی "ٹربل شوٹر" (TROUBLE SHOOTR) ہیں۔ یہ پتہ نہیں کہ اس وقت وہ کس کی "تکلیف" رفع کرنے کی سعی فرما رہے ہیں۔ اس سے پہلے انہوں نے اپریل اور مئی ۷۷ء میں جناب ذوالفقار علی بھٹو کے ایما پر اور چند بیرونی عرب ممالک کی خواہش پر پیپلز پارٹی اور پی این اے کو مذاکرات کے لیے تیار کیا تھا۔ مذاکرات پی این اے کے تین بڑوں یعنی مفتی محمود، نوابزادہ نصراللہ اور پروفیسر غفور کے بموجب کامیاب بھی ہو گئے تھے اور بھٹو صاحب سے سمجھوتہ بھی ہو گیا تھا، پھر نہ جانے کیا ہوا کہ سارے کیے دھرے پر پانی پھر گیا اور بھٹو صاحب معزول قرار پائے اور مسلح افواج نے ملک کا نظم و نسق سنبھال لیا اور جناب ضیاء الحق چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر قرار پائے۔ پہلے یہ اعلان ہوا کہ پیپلز پارٹی اور پی این اے کے معاہدے کے مطابق آزادانہ اور غیر جانبدار عام انتخابات کرانے آئے ہیں۔ بعد میں یہ وعدہ متروک قرار دیا گیا۔ اور بتایا گیا کہ پہلے دوسرے کام ہو جائیں یعنی احتساب وغیرہ ہو جائے، نظام مصطفےٰ کا نفاذ ہو جائے، پھر انتخابات کرائے جائیں گے۔ ہم نے تو یہ سنا اور پڑھا تھا کہ انتخابات اس لیے کرائے جاتے ہیں کہ رائے دہندگان یہ طے کر سکیں کہ وہ ملک میں کس نوع کا نظام چاہتے ہیں اور کون سی سیاسی جماعت ان کی پسند کا نظام مؤثر طور پر چلا سکتی ہے۔ وہ کن افراد پر اعتماد رکھتے ہیں کہ وہ مؤثر طور پر ملک کا نظم و نسق چلا سکیں۔ پھر انتخابات احتساب کا ذریعہ بھی ہوتے ہیں، جن سیاستدانوں اور جماعتوں سے عوام بیزار ہو جاتے ہیں انہیں ووٹ نہیں دیتے۔ ہمیں ۱۹۵۴ء میں سابق مشرقی پاکستان میں مسلم لیگ پارٹی جو اس وقت حکمران جماعت تھی) کی عبرتناک شکست اب تک یاد ہے۔ یہ آج تک نہیں سنا یا پڑھا تھا کہ جس کی مرضی میں آئے طاقت استعمال کر کے ملک کے سیاہ و سفید کے مالک بن جائے۔ یہ از روئے جمہوریت جائز ہے۔ نہ از روئے اسلام۔ ہمارے یہاں آئین اور قانون تو گھر کی لونڈی ہے۔ انہیں کون پوچھتا ہے۔ ایک طرف کہا جاتا ہے کہ قانون شکنی برداشت نہیں کی جائے گی۔ دوسری طرف یہ بات وہی لوگ کہتے ہیں جو خود آئین اور قانون کی دھجیاں بکھیرتے ہیں۔ یہی کام جناب غلام محمد صاحب نے کیا تھا۔ اس طرح جب ۱۹۵۸ء میں انتخابات کی تیاریاں ہو رہی تھیں تو فوج کے کمانڈر انچیف ایوب خاں صاحب کو نعوذ باللہ عالمِ غیب سے یہ مژدہ ملا کہ آئین اور پارلیمنٹ توڑ دیجیے اور اسکندر مرزا کی شراکت میں ملک و قوم کے سربراہ بن جایئے۔ انہوں نے دس سال تک "خدمت" جاری رکھی۔ پھر جب وہ غیر مقبول ہو گئے تو آئین کے مطابق ان کے استعفے کے بعد اسپیکر کو اختیار منتقل ہونا چاہیئے تھا۔ لیکن اسپیکر چونکہ فوج سے تعلق نہیں رکھتے تھے اور پھر بنگالی ہونے کے بھی قصوروار تھے اس لیے تمام اختیارات جناب جنرل یحییٰ خاں صاحب نے بدستِ خود و بقلم خود سنبھال لیے، ملک کے صدر بن گئے۔ اور مارشل لا پھر نافذ کر دیا۔ اسی حکومت کے دور میں ملک دولخت ہوا مشرقی پاکستان علیحدہ کیسے ہوا اور بنگلہ دیش کیسے بنا۔ یہ جاننے کے لیے کسی حمود الرحمٰن کمیشن کی رپورٹ کے مطالعہ کی ضرورت نہیں۔ اور نہ ان وضاحتوں کی جو جنرل راؤ فرمان علی نے اپنے انٹرویو میں فرمائی ہیں۔

ہاں تو بات یہ ہو رہی تھی کہ ایک وقت مارچ سے لے کر جون ۷۷ء تک کا تھا کہ پی این اے کی جماعتیں دوبارہ انتخابات پر مصر تھیں اور وہ تو آخر میں بھٹو صاحب کی وزارتِ عظمیٰ کی موجودگی میں دوبارہ انتخابات کے انعقاد پر رضامند ہو گئی تھیں۔ اور آج یہ زمانہ ہے کہ وہ بغیر انتخاب کے "قومی حکومت" میں شمولیت کے لیے تیار ہیں۔ اب ان کے لیے مارشل لا جائز ہے۔ اسپیشل ٹریبونل بھی جائز ہیں۔ پریس اینڈ پبلیکیشنز جیسے سیاہ قوانین اور ان کا استعمال بھی جائز ہے۔ اب اگر شہری آزادیوں اور سیاسی سرگرمیوں پر پابندی ہو تو کوئی بات

نہیں، اجتماع، اظہار اور تنظیم کی آزادیاں سلب کرلی جائیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ لوگ عام قوانین کے تحت اور عام عدالتوں میں مقدمہ چلائے بغیر نظر بند کردیئے جائیں تو کوئی حرج نہیں کیونکہ اب ان سیاہ قوانین اور من مانی کارروائیوں پر "اسلام" کا لیبل لگادیا گیا ہے اور اب ملک کی زمام کار مسٹر بھٹو کے ہاتھ میں نہیں —— ہم تو بھٹو صاحب کے زمانے میں بھی ان غیر معمولی اور سیاہ قوانین ان کے استعمال اور من مانی کارروائیوں کی مذمت کرتے تھے۔ اس کے خلاف احتجاج کرتے تھے اور اس کی پاداش میں جیل بھی جاتے تھے لیکن اب دیکھیے کہ وقت کیا بدلتا ہے کہ کچھ لوگ جو بھٹو صاحب کے زمانے میں جمہوریت، عام انتخابات اور شہری آزادیوں کے علمبردار تھے۔ اب کہہ رہے ہیں کہ مارشل لار کو اور سخت کرو۔ شہری آزادیاں اور ختم کرو۔ اخبارات اور بند کرو۔ لوگوں کو اور زیادہ مقدمہ چلاتے بغیر جیل بھیجو۔ اسپیشل ٹربونل اور قائم کرو، سرسری سماعت کی عدالتوں اور ان کی سزاؤں میں اضافہ کرو۔ اور یہ سب حضرات اسلام اور نظام مصطفےٰ کے علمبردار ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ آج کل انہوں نے جمہوریت کا نام لینا ترک کردیا ہے۔ غالباً ان کے نزدیک اسلام مارشل لار اور آمریت سے عبارت ہے۔

لہٰذا اب یہ حضرات انتخابات کے بغیر ہی اقتدار کی کرسی پر براجمان ہونا چاہتے ہیں اور اس لیے قومی حکومت کی تجویز پیش کی گئی ہے۔ ہماری اطلاعات کے مطابق قومی حکومت کی تجویز مارشل لار حکومت کو قومی اتحاد کے صدر مفتی محمود صاحب اور پروفیسر غفور صاحب نے پیش کی ہے۔ جس پر چیف مارشل لار ایڈمنسٹریٹر صاحب نے بتایا جاتا ہے کہ یہی فرمایا تھا کہ بھئی سب کو تیار کرو تو پھر ٹھیک ہے۔ باخبر ذرائع کے مطابق قومی حکومت کے لیے سب سے زیادہ بے چین جماعتِ اسلامی ہے۔ اور اس نے بڑی حد تک مفتی صاحب کی جمعیت علمائے اسلام اور پیر پگارا صاحب کی مسلم لیگ کو شرکت پر تیار کرلیا ہے۔ انہوں نے البتہ مارشل لار حکومت کے سامنے یہ شرط رکھی ہے کہ ہمیں با اختیار وزیر بنایا جائے۔ یعنی یہ حضرات عوام سے اجازت لیے بغیر ہی سیاسی اقتدار پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔ آئندہ کے لیے یہ لوگ بڑی خطرناک نظیر پیش کررہے ہیں۔ یعنی آئندہ بھی کچھ لوگ اس کو مثال بناکر ایسا ہی کریں۔ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ ملک سے ہمیشہ کے لیے جمہوریت کا جنازہ نکال دیا جائے اور ایک کے بعد دوسرا گروہ زبردستی یا سازش کے ذریعہ ملک کے سیاہ و سفید کا مالک بن جائے۔ اس ضمن میں جماعت اسلامی سے تو کوئی شکایت نہیں ہے کہ ان کا اصل مسلک ہی آمریت ہے۔ البتہ مفتی محمود صاحب اور مسلم لیگ والوں سے ضرور گلہ ہوسکتا ہے کہ ماضی میں یہ جماعتیں جمہوریت کی نام لیوا تھیں۔ اور مسلم لیگ کے بانی تو قائداعظم تھے جنہوں نے ہمیشہ جمہوری اصولوں کے لیے جد و جہد کی۔ تحریک پاکستان کی روح جمہوریت سے عبارت تھی لیکن آج مسلم لیگ کے وارثوں نے اسے کہاں پہنچادیا ہے۔ کہ وہ مارشل لار کے تحت حکومت میں شامل ہونے پر تیار ہوگئے ہیں۔

اس میں شکایت جنرل ضیاء الحق صاحب اور مارشل لار انتظامیہ سے نہیں ہونی چاہیئے۔ ان سے ہونی چاہیئے جنہوں نے ۳۲ نکاتی مطالبات کے منشور پر دستخط کیے تھے۔

اب قومی حکومت کیا بنے گی، این ڈی پی نے تو یہ واضح اعلان کردیا ہے کہ وہ اس نام نہاد حکومت میں شامل نہیں ہوگی۔ این ڈی پی جیسا کہ سب جانتے ہیں بڑی حد تک ملک کے چار میں سے دو صوبوں یعنی سرحد اور بلوچستان کی نمائندگی کرتی ہے۔ خود بلوچستان کے سرکردہ رہنما اس نوع کی حکومت میں شامل نہیں ہوں گے۔ پھر کیا ان دو صوبوں کی نمائندگی کے بغیر ہی قومی حکومت بن جائے گی۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ قومی حکومت نہیں بلکہ قومی اتحاد حکومت" بنائی جارہی ہے۔ لیکن میری رائے میں یہ قومی اتحاد حکومت بھی نہیں ہوگی۔ تحریک استقلال کے سربراہ ایئر مارشل (ریٹائرڈ) اصغر خان نے تو کہا جاتا ہے کہ سردار قیوم کو صاف جواب دے دیا ہے۔ مولانا نورانی ان دنوں باہر ہیں۔ ان کا بھی یہی جواب ہوگا —— پیپلز پارٹی جو پنجاب اور سندھ میں اب بھی مقبول ہے۔ اس کی شرکت کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ وہ تو مجوزہ قومی حکومت کا نشانہ ہوگی — اور تو اور نوابزادہ نصراللہ صاحب بھی اس حکومت میں جانے سے پہلے دس مرتبہ سوچیں گے۔ پھر یہ کیسی قومی حکومت ہوگی۔ ہاں یہ جماعت اسلامی کی حکومت ہوسکتی ہے —— کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ موجودہ حکومت ملک کی بڑھتی ہوئی سیاسی اور اقتصادی مشکلات کے پیش نظر اس کی خواہش مند تھی کہ وہ کچھ سیاسی جماعتوں کی "شراکت" ذمہ داری" میں شرکت کرلے۔ تاکہ تنہا وہ ہر چیز کے لیے مورد الزام قرار نہ پائے۔ لیکن تدبیر کند بندہ، تقدیر زند خندہ کے مصداق ہر وہ چیز جس کا انسان منصوبہ بناتا ہے پوری نہیں ہوتی ——

اب رہ گیا مسئلہ صدارتی نظام کا۔ تو یہ تجویز پہلے بھی پیش ہوئی تھی۔ اور پی این اے کی جماعتوں نے بھی اس کی مخالفت کی تھی۔ اور آج سے نہیں ایوب خاں کے زمانے سے اس نظام کی مخالفت کی جارہی ہے۔ اب کی یہ کوشش کی جارہی ہے کہ اسے عین اسلام قرار دیا جائے اور اس طرح اسے لوگوں کے قابل قبول بنایا جائے۔ لیکن اب شخصی حکومتوں کا دور عرصہ ہوا گذر چکا۔ بھٹو صاحب نے بھی اپنے انداز میں ایک طرح کی شخصی حکومت قائم کی تھی۔ لیکن ایک بات ان کے حق میں جاتی تھی کہ وہ انتخابات کے ذریعہ برسر اقتدار آئے تھے۔ اس لیے اس نکتہ کو اپنے ہی غیر جمہوری اقدامات کے جواز میں بطور دفاع پیش کردیا کرتے تھے۔ اب کچھ لوگ انتخابات اور عوام کی حمایت کے اس تکلف کے بغیر شخصی حکومت قائم کرنے کی خواہش رکھتے ہیں۔ اور اس کے لیے صدارتی نظام کی شان میں مدح سرا ہیں۔ ایوب خاں نے بی ڈی سسٹم بنایا تھا۔ اب پھر یونین کونسلوں کی بات ہورہی ہے۔ اصلاحی کمیٹیاں اور شہری کمیٹیاں ڈپٹی کمشنروں کی سرکردگی میں قائم کی جارہی ہیں۔ لیکن اہلِ بینش جانتے ہیں کہ یہ سب کچھ عبث ہے انسانیت اور تاریخ بہت آگے بڑھ چکی ہے۔ یہ قرون وسطیٰ کا عہد نہیں جب چرچ اور پادری حکومت کرتے تھے اور جنت میں داخلہ کے پروانے تقسیم کیا کرتے تھے۔ اس لیے شیخ چلی کے منصوبے باندھنے سے کچھ نہیں ہوتا۔

پیپلز پارٹی کے "غدّار" عوام میں نہیں، وڈیروں میں مقبول ہیں!

جتوئی، وزارتِ عظمیٰ کے امیدوار ہیں

ملک میں سیاسی سرگرمیوں پر پابندی جو یکم مارچ سے ۳۱ مارچ تک عائد کی گئی تھی اب اس پابندی کو غیر معینہ عرصے تک کے لئے برقرار رکھنے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں جاری ہونے والے نئے مارشل لا آرڈر کے تحت لفظ "۳۱ مارچ تک" کو حذف کر دیا گیا ہے۔

انتظامیہ اس حکم پر سختی سے عمل درآمد کرا رہی ہے سوائے دو اشخاص۔ سردار عبدالقیوم اور مولانا کوثر نیازی کے جو علی الاعلان ان پابندیوں کی خلاف ورزی کرتے ہوئے سیاسی نوعیت کے اجلاس منعقد کر رہے ہیں اور سیاسی بیان جاری کر رہے ہیں۔ یہاں کے سیاسی حلقے ان دو افراد کی سیاسی سرگرمیوں اور ان سرگرمیوں پر حکومت کی خاموشی کو معنیٰ خیز قرار دے رہے ہیں۔ ان حلقوں کا خیال ہے کہ اگر اسی طرح مارشل لا احکامات کے عملدرآمد میں امتیاز برتا گیا تو پھر ان احکامات کا نہ کوئی قانونی جواز رہے گا۔ اور نہ ہی کوئی اخلاقی جواز ہو گا۔

ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ سیاسی سرگرمیوں پر پابندی کو پاکستان پیپلز پارٹی کو دو دھڑوں میں تقسیم کرنے کے لئے استعمال کیا جا رہا ہے۔ ایک طرف پورے پاکستان سے پی پی کے ایسے رہنماؤں کو گرفتار کر لیا گیا ہے جو مسٹر بھٹو اور بیگم بھٹو سے وفادار ہیں۔ حتیٰ کہ بیگم بھٹو اور مس بے نظیر بھٹو کو بھی گھروں پر نظر بند کر دیا گیا ہے۔ جب کہ ایسے رہنماؤں کو کھلی آزادی ہے۔ جن کی بھٹو خاندان سے وفاداری شروع سے مشکوک ہے۔ ایسے رہنماؤں پر پیپلز پارٹی کے عام کارکنوں کی طرف سے شروع سے شک کا اظہار کیا جاتا رہا ہے۔ ان رہنماؤں میں سب سے پیش پیش پی پی کے سابق سیکرٹری اطلاعات مولانا کوثر نیازی ہیں۔ پی پی حکومت کے زوال کے ساتھ ہی مولانا نے پر پرزے نکالنا شروع کر دیئے تھے۔

انہوں نے ایک سے زیادہ موقعوں پر پی پی کی اہم پالیسیوں کو تارپیڈو کیا اور پارٹی کے فیصلوں اور پالیسیوں کے بارے میں عوام اور کارکنوں میں غلط فہمیاں پیدا کیں۔ جس کی وجہ سے پارٹی کی قیادت پر پارٹی کارکنوں اور پارٹی کی حمایت کرنے والے عوامی طبقوں کا دباؤ بڑھتا گیا کہ مولانا کوثر نیازی اور دوسری کالی بھیڑوں کو پارٹی سے نکال دیا جائے۔ چنانچہ پیپلز پارٹی کی قائم مقام چیئرمین

بیگم نصرت بھٹو نے ۲۸ فروری کو لاہور میں مولانا کوثر نیازی کو پارٹی سے نکال باہر کرنے کا اعلان کیا جس کا پورے ملک میں پی پی کے کارکنوں اور حمایتیوں نے زبردست خیر مقدم کیا۔ مگر اسی دن حکومت کی طرف سے ملک میں سیاسی سرگرمیوں پر پابندی عائد کر دی گئی۔

مولانا کوثر نیازی اس سے پہلے پارٹی میں "ڈیموکریٹک گروپ" قائم کرنا چاہتے تھے۔ جب کہ اب وہ پارٹی کے "لبرل گروپ" کے نام پر حکومت کی زیر تجویز قومی حکومت میں شامل ہونا چاہتے ہیں۔ اسلام آباد سے آنے والی اطلاعات کے مطابق اب تک مولانا سے اس سلسلے میں بلوچستان کے مسٹر غوث بخش رئیسانی، کراچی کے ڈاکٹر امیر محمد اور سرحد کے ایک سابق وزیر حاجی رحمان مل چکے ہیں جب کہ بقول مولانا کے سرحد سے سابق وزیر حنیف خان اور سابق وزیر اعلیٰ نصر اللہ خان خٹک کی ان کو حمایت حاصل ہے۔ انہوں نے یہ بھی اعلان کیا ہے کہ وہ مزید مشوروں کے لئے جلد لاہور اور کراچی جائیں گے۔ ان رہنماؤں سے اب تک کوئی رابطہ قائم نہیں ہو سکا اور نہ ہی ان کی طرف سے کوئی بیان جاری ہوا ہے بہر حال، یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کے ادھر یا اُدھر ہونے سے پی پی کی عوامی حمایت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ نصر اللہ خان خٹک کافی عرصے سے پی پی اور سیاست سے کنارہ کش ہو چکے ہیں۔ اس وجہ سے ان کا عوام سے اور پی پی ورکروں سے کوئی رابطہ نہیں ہے۔ اسی طرح مسٹر حنیف خان کا بھی ورکروں اور عوام سے

جتوئی، کوثر نیازی سے زیادہ باریک کام کر رہے ہیں

کوئی رابطہ نہیں ہے۔ ان کا تھوڑا سا اثر ان کے اپنے علاقے ہزارہ ڈویژن کے ایک حصّہ میں ہے، وہاں بھی ان کی اپنی سیٹ دوسروں کی مرہونِ منّت ہوتی ہے۔ بہر حال، وہ ایک پرانے قیوم لیگی ہیں۔ وہ خود کو بھٹو صاحب کا بہت بڑا عقیدت مند قرار دیتے رہے ہیں۔ یہ وقت ہی بتائے گا کہ وہ کون سا راستہ اختیار کرتے ہیں۔

بلوچستان سے غوث بخش رئیسانی کا نام سامنے آیا ہے۔ وہ اس سے پہلے بھی اس قسم کا بیان جاری کر چکے تھے۔ مگر بعد میں باخبر ذرائع کے مطابق انہوں نے بھٹو سے غداری کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ جس کے نتیجے میں ان کو اور ان کی بیگم کو نااہل قرار دینے والی لسٹ میں شامل کر کے ان کے کیسز کو نااہل قرار دینے والے ٹریبونل کے سپرد کر دیا گیا۔ مگر بعد میں شاید ان پر زیادہ پریشر بڑھ گیا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ اسلام آباد جا کر مولانا کوثر نیازی سے ملنے کے لئے مجبور ہو گئے ہیں۔ یاد رہے کہ رہائی کے فوری بعد انہوں نے کراچی میں کچھ اخباری نمائندوں سے غیر رسمی بات چیت کرتے ہوئے اشارتاً کہا تھا کہ ان پر پریشر بہت بڑھتا جا رہا ہے۔

رئیسانی کے قریبی ذرائع نے خیال ظاہر کیا ہے کہ وہ بھٹو سے غداری کے کھلے مرتکب نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ اس طرح وہ خود اپنے علاقے میں شکل دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔

پی پی ذرائع کے مطابق پنجاب میں مولانا کو کوئی حمایت ملنے کی توقع نہیں ہے۔ البتہ ایک شخصیت ایسی ہے جس کو مولانا جال میں پھنسانے کی کوشش کریں گے۔ ان ذرائع کے مطابق یہ شخصیت قومی اسمبلی کے سابق اسپیکر صاحبزادہ فاروق علی خان ہیں مگر وہ بھی کھل کر بھٹو سے غداری نہیں کر سکتے۔ پنجاب کا ہر وہ رہنما بھٹو سے غداری کرے گا، وہ سیاسی موت مر جائے گا۔

جہاں تک سندھ کا سوال ہے، تو سندھ کے سابق وزیر اعلیٰ اور سندھ پی پی کے قائم مقام صدر مسٹر غلام مصطفےٰ جتوئی اور پی پی سینٹرل ایگزیکٹیو کمیٹی کے جنرل سیکریٹری کمال اظفر، جو ان چند رہنماؤں میں شامل ہیں جنہوں نے ابھی جیل وغیرہ نہیں دیکھی۔ ایک بیان جاری کر کے قومی حکومت میں شمولیت کی تجویز کو رد کیا ہے اور کہا ہے کہ پارٹی میں کوئی لبرل گروپ موجود نہیں ہے، مگر باخبر ذرائع کے مطابق جتوئی صاحب، جو خود کو بہت بڑا ڈپلومیٹ سمجھتے ہیں اپنی مخصوص "ڈپلومیسی" کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ وہ خود کو مولانا کوثر نیازی سے کہیں زیادہ بڑا ڈپلومیٹ اور کامیاب سیاست دان سمجھتے ہیں۔ ان ذرائع کے مطابق کوئی دن خالی نہیں جاتا، جب جتوئی صاحب اور مولانا ٹیلی فون پر رابطہ قائم نہیں کرتے۔ ان ذرائع کے مطابق جتوئی صاحب اصل اور باریک کام میں مصروف ہیں۔ انتہائی باوثوق ذرائع نے بتایا ہے کہ جتوئی صاحب کی نظریں "وزارتِ عظمیٰ" سے کم عہدے پر نہیں ہیں۔ اس منزل تک پہنچنے کے لئے وہ پھونک پھونک کر قدم رکھ رہے ہیں۔ کئی دن سے مسٹر غلام مصطفےٰ جتوئی کی ڈیفنس ہاؤسنگ سوسائٹی کی "کوٹھی" مخصوص سرگرمیوں کی آماجگاہ بنی ہوئی ہے۔ وہ روز سندھ کے کئی وڈیروں سے ملاقات کرتے ہیں۔ ملاقات کے دوران وہ اپنی لائن دیتے ہیں اور قائل کرتے ہیں کہ حکومت سے مفاہمت کی جائے۔ اب تک ان سے جو مل چکے ہیں ان میں بدین، سکھر، نواب شاہ، حیدر آباد اور ٹھٹھہ کے کئی قومی اور صوبائی اسمبلی کے سابق ارکان شامل ہیں۔ ان ذرائع کے مطابق جتوئی صاحب سندھ کے وڈیروں کی حمایت حاصل کرنے کے سلسلے میں کافی پُرامید ہیں مگر وہ سندھ کے عوام کے ردِّ عمل سے خائف بھی ہیں۔ سندھ کے اندرونی علاقوں سے آنے والی اطلاعات کے مطابق عوام میں مصلحت پسند وڈیروں اور جتوئی صاحب کے خلاف سخت غم و غصّہ ہے بعض اطلاعات کے مطابق اس غم و غصّہ کا نتیجہ جتوئی صاحب کے آبائی علاقے میں جتوئی کے ٹریکٹر کو آگ لگانے کی صورت میں ظاہر ہوا ہے۔ آثار ایسے نظر آتے ہیں کہ سندھ کا جو وڈیرہ پی پی کی پالیسی سے غداری کرے گا اُسے عوام کی نفرت کا نشانہ بننا پڑے گا۔

کچھ ذرائع نے یہاں تک بتایا ہے کہ جتوئی صاحب کو مشورہ دیا گیا کہ مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کے میدان سے ہٹنے کے بعد ان کے لئے سیاسی میدان کھلا ہوگا جس پر انہوں نے جواب دیا کہ بھٹو کے میدان سے ہٹنے کے بعد بھی جب تک ممتاز بھٹو اور حفیظ پیرزادہ میدان میں ہیں ان کے لئے راستہ صاف نہیں ہے۔ بہر حال یہ وقت ہی بتائے گا کہ یہ بات کہاں تک درست ہے۔ باخبر ذرائع کے مطابق اکثر وڈیروں نے جن کی جتوئی سے ملاقات ہوئی ہے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ وہ سیاست سے ریٹائر ہو جائیں گے۔ انہوں نے کہا ہے کہ اگر وہ حکومت کی مخالفت نہیں کریں گے تو وہ کھل کر حکومت کی حمایت اور بھٹو کی مخالفت بھی نہیں کر سکتے۔

ایک طرف جیل سے باہر پی پی کے رہنما مفاہمت کی پالیسی اپنا رہے ہیں جب کہ جیل میں بند پی پی رہنماؤں کے حوصلے بہت بلند ہیں۔ حال ہی میں ممتاز علی بھٹو اور حفیظ پیرزادہ نظر بندی کے خلاف پٹیشن اور نااہلی ٹریبونل کی سماعت کے سلسلے میں جب ہائی کورٹ میں آئے تو ان میں عزم و حوصلے کے آثار نمایاں تھے جب کہ مفاہمت پسند رہنما ان سے آنکھیں ملانے کے لئے بھی تیار نہیں تھے۔ ان رہنماؤں کے مقدموں کی سماعت نچلی منزلوں پر ہو رہی تھی جب کہ مسٹر کمال اظفر اوپری منزل پر دیکھے گئے، جہاں انہیں کچھ اخباری نمائندوں نے پکڑ لیا تو وہ آنکھیں چرا کر نکل گئے۔ سماعت کے وقفہ کے دوران جب کچھ ملاقاتیوں نے مسٹر ممتاز بھٹو سے کمال اظفر اور جتوئی کے بارے میں پوچھا کہ وہ ان سے ملاقات کرنے نہیں آئے تو وہ مخصوص انداز میں مسکرا کر ٹال گئے۔ ایک پی پی ورکر نے فقرہ چست کرتے ہوئے کہا کہ جتوئی صاحب کو مولانا سے رابطہ قائم کرنے سے فرصت کہاں ہے؟ جب کہ دوسرے صاحب تو فرزندِ کراچی ہیں۔ ان کا کیا کہنا؟ اس پر مسٹر ممتاز علی بھٹو نے کہا کہ "اس وقت پیپلز پارٹی اور عوام میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اس وقت پی پی کے خلاف کوئی سازش کامیاب نہیں ہو سکتی۔ اگر ہمالیہ سے بھی پی پی کو ختم کرنے کے لئے اوپر سے نیچے پھینک دیا جائے تب بھی پی پی ختم نہیں ہو سکتی۔ مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کے ذکر پر وہ بہت جذباتی ہو گئے اور کہنے لگے چیئرمین بھٹو نہ فقط پاکستان بلکہ تیسری دنیا کے لافانی ہیرو بن چکے ہیں۔ وہ ایک ایسی تاریخی حیثیت حاصل کر چکے ہیں کہ اب ان کو کوئی بھلا نہیں سکتا۔" سنا ہے کہ انہوں نے عبدالستار گبول کو دیکھ کر ایسی مسکراہٹ سے ان کا "استقبال" کیا کہ وہ زیادہ دیر تک وہاں نہ ٹھہر سکے اور چلتے بنے۔

اسلام آباد

منیر شیراز

سردار قیوم اور چوہدری ظہور الٰہی ابھی تک اپنے اصل مشن میں ناکام رہے

قومی حکومت کیلئے جماعت اسلامی اور کوثر نیازی بے چین ہیں

عبوری حکومت نے ملک بھر میں سیاسی سرگرمیوں پر غیر معینہ مدت کے لیئے پابندی عائد کردی ہے یہ اعلان مارشل لاء کے ایک ترمیمی ضابطے کے تحت کیا گیا ہے۔ اس سے قبل لاہور میں چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر اور عبوری حکومت کے سربراہ جنرل محمد ضیاء الحق نے اعلان کیا کہ ملک بھر میں امن عامہ کی صورتحال تسلی بخش ہے اور کہیں کوئی گڑبڑ نہیں ہے۔ امن عامہ کی حالت تسلی بخش ہے اور اگر نہ ہوتی تو ہم کہتے کہ مارشل لاء انتظامیہ بھی اگر امن عامہ کی صورتحال کو بہتر نہیں رکھ سکتی تو پھر اسے اپنی ناکامی کا اعتراف کرلینا چاہیئے۔ امن عامہ کی حالت بہتر ہونے کے باوجود اگر سیاسی سرگرمیوں کی اجازت "کا رسک" نہیں لیا جاسکتا تو اس کا صاف مطلب ہے کہ حکومت سیاسی گرمیاں شروع ہونے کے بعد کسی قسم کی صورتحال کی توقع رکھتی ہے مگر یہ بھی اصل بات نہیں ہے اصل بات یہ ہے کہ سابق صدر، سابق وزیر اعظم پاکستان اور دنیا کی تاریخ کے پہلے سول چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر اور اسلامی سربراہ کانفرنس کے سربراہ پاکستان پیپلز پارٹی کے چیئرمین مسٹر ذوالفقار علی بھٹو ایک مقدمہ قتل میں مجرم قرار پانے کے بعد یہ سطور لکھے جانے تک کوٹ لکھپت جیل کی پھانسی کی کوٹھڑی میں اپنے مستقبل کے فیصلے کے منتظر ہیں۔ انہوں نے ہائیکورٹ کے فیصلہ کے خلاف سپریم کورٹ آف پاکستان میں اپیل دائر کردی ہے جس کی کارروائی شروع ہو گئی ہے پھانسی کی سزا کے اعلان کے بعد ملک میں صورتحال ذرا بگڑی تھی مگر جونہی اپیل دائر کی گئی صورتحال اپنی جگہ واپس آگئی۔ اگر ملک میں سیاسی سرگرمیوں پر پابندی نہ ہوتی تو پھر یقیناً امن عامہ کی صورتحال بگڑ ہی جاتی۔ چنانچہ حفظ ماتقدم کے طور پر سیاسی سرگرمیوں پر پابندی میں غیر متعینہ مدت کے لیئے توسیع کردی گئی ہے۔ سپریم کورٹ میں مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کی اپیل کا فیصلہ ہونے کے بعد سیاسی سرگرمیوں پر پابندی لگائے رکھنے یا اٹھائے جانے کے بارے میں پھر غور ہوگا۔ آیا غیر متعینہ مدت کا تعین سپریم کورٹ میں اپیل کے فیصلے کی مدت تک ہے

آج کل ملک میں نیشنل گورنمنٹ کے قیام کے لیئے بڑی سرگرمیاں ہیں۔ سردار قیوم جو قومی اتحاد کے ایک رکن بھی ہیں آج کل بڑی سرگرمی میں دکھائی دے رہے ہیں۔ پچھلے دنوں انہوں نے راولپنڈی میں تحریک استقلال کے سربراہ ریٹائرڈ ایئر مارشل اصغر خان سے ملاقات کی۔ یہ ملاقات ناکام رہی۔ کیونکہ اصغر خان نے بڑی صفائی سے قومی حکومت میں شامل ہونے سے انکار کردیا ہے ان کا موقف یہ ہے کہ مسائل کو صرف منتخب حکومت ہی حل کرسکتی ہے جبکہ اس حکومت کی پیشکش کرنے والوں کا موقف یہ ہے کہ تمام قومی امور میں تمام سیاسی جماعتوں سے مل جل کر کام چلایا جائے تو نتائج بہتر برآمد ہونگے۔ یوں بھی عبوری حکومت جلد از جلد عام انتخابات کرانے کی خواہش مند ہے مگر یہ خواہش پوری کرنے کے لیئے اور انتخابات کے انتظامات میں تمام سیاسی جماعتوں کو ذمہ داری دینا چاہتی ہے تاکہ بعد میں کسی جماعت کو اعتراض کی گنجائش نہ ہو۔ سردار قیوم سیاسی سرگرمیوں پر پابندی لگنے سے ایک روز قبل تک مارشل لاء حکومت کے بارے میں سخت رویہ اختیار کیئے ہوئے تھے اور انہوں نے آزاد کشمیر میں مارشل لاء انتظامیہ کو پندرہ روز کا نوٹس بھی دے دیا تھا۔ وہ اصولوں کی بنیاد پر پاکستان قومی اتحاد سے علیحدگی کے سوال پر بھی غور کر رہے تھے۔ انہوں نے فروری کے آخری دنوں میں ایئر مارشل ایم اصغر خان سے کئی طویل ملاقاتیں بھی کی تھیں اور وہ کسی نتیجے پر بھی پہنچ گئے تھے مگر اس نتیجے کا اعلان ہونے سے قبل ہی سیاسی سرگرمیوں پر پابندی لگ گئی اب وہ ہی سردار قیوم ایک خصوصی پیامبر کی حیثیت سے مختلف سیاسی جماعتوں کے سربراہوں سے ملاقات کررہے ہیں۔ سردار قیوم سے سیاسی اختلاف تو رکھا جاسکتا ہے مگر ان کی دیانتداری پر کوئی شبہ نہیں کیا جاسکتا۔ کہ ان کی اس خوبی کے دوست دشمن سبھی معترف ہیں۔ سردار صاحب اپنی اس خوبی کی بنیاد پر اور اپنے جذبہ کی وجہ سے استعمال کیئے جاتے ہیں جب پچھلے سال پاکستان قومی اتحاد کے تمام رہنما نظر بند تھے اور وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو ان رہنماؤں سے بات چیت شروع کرنے میں ناکام رہے تھے تو انہوں نے بھی سردار قیوم کی خدمات ہی حاصل کی تھیں انہیں نظر بندی سے رہا کرکے خصوصی طیارے کے ذریعے ملک کے مختلف حصوں میں نظر بند اور قید پاکستان قومی اتحاد کے رہنماؤں سے ملایا گیا تھا۔ سردار صاحب اپنی بات ان سے منوانے میں کامیاب ہوئے اور بھٹو صاحب قومی اتحاد کے لیڈروں سے مذاکرات شروع کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ عبوری حکومت کیطرف سے نیشنل گورنمنٹ قائم کرنے کی پیشکش کو تحریک استقلال اور نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی نے تو فوراً ہی مسترد کردی تھی

• پاکستان پیپلز پارٹی کے کچھ افراد سے علیحدہ ملاقات ہوئی تھی اس کا قومی اتحاد والوں کو علم ہی نہیں ہوسکا۔ اس لیئے وہ سمجھے کہ یہ دعوت صرف ہمیں ہی دی گئی ہے چنانچہ پہلا بیان آیا کہ ہم اس قومی حکومت میں ہرگز شامل نہیں ہونگے جس میں پیپلز پارٹی بھی شامل ہو گی۔ جب چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل ضیاء الحق نے واضح اعلان کیا کہ تمام سیاسی جماعتوں کی شمولیت کے بغیر کوئی حکومت قائم نہیں ہوگی تو سارا جوش صابن کے جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ یوں بھی ان کو بتایا گیا کہ پیپلز پارٹی کے کون کون سے افراد سے رابطہ قائم کیا ہے قومی اتحاد کے رہنما سمجھ گئے کہ یہ تو اپنے ہی لوگ ہیں ان سے کیا ڈرنا۔ بات ہو رہی تھی سردار قیوم کی کاوشوں کی یہ کاوش اصغر خان کی صورت میں تو ناکام ہو گئی ہے ادھر این ڈی پی نے بھی بڑی وضاحت سے انکار کیا ہے کہ وہ قومی حکومت میں شامل ہو رہی ہے۔ مارشل لاء کی مارشل لاء احکام سے زیادہ وکالت کرنے اور اپنے سیاسی کردار پر داغ لگانے کے بعد بھی جب خان عبدالولی خان کو صرف وعدے ہی تھے تو انہوں نے نئے وعدے اور پیشکش کو یکسر مسترد کردیا۔

ا۔ علاج کے بہانے ملک ہی چھوڑ گئے اب وہ جون جولائی سے پہلے وطن واپس نہیں آئیں گے۔ سردار قیوم کے ذمہ یہ کام لگا ہے کہ وہ تحریک استقلال کو منالیں۔ مسلم لیگ کے چودھری ظہور الٰہی کے ذمہ یہ کام لگا تھا کہ وہ خان عبدالولی خان کو منالیں۔ تادم تحریر یہ دونوں مشن ناکام ہو گئے ہیں۔ پیپلز پارٹی کی جانب سے مولانا کوثر نیازی، میر افضل خان، خان محمد حنیف خان، غلام مصطفیٰ جتوئی وغیرہم نے عبوری حکومت سے بات چیت کی ہے مرکزی کمیٹی کے ایک رکن ڈاکٹر عبدالخالق نے تو سیاست ہی سے توبہ کرلی ہے ۲۸ فروری کو مولانا کوثر نیازی کو قائمقام چیئرمین پیپلز پارٹی مسز نصرت بھٹو نے پارٹی کے عہدہ اور رکنیت سے علیحدہ کردیا تھا۔ یہ اعلان اخبارات میں اسی لیئے نہیں چھپ سکا کہ اسی

روز سیاسی سرگرمیوں پر پابندی لگ گئی تھی۔ مولانا کو ایک ماہ میں اس فیصلے کے خلاف اپیل کی اجازت دی گئی تھی ایک ماہ گزرنے سے قبل ۲۰ مارچ کو مولانا کے ذاتی روزنامے میں سیاسی حلقوں کے حوالے سے مولانا کوثر نیازی کا یہ بیان چھپا کہ وہ بدستور پارٹی کے عہدے دار اور بنیادی رکن ہیں۔ اور یہ کہ جب تک ان کی اپیل پر فیصلہ نہ ہو قائمقام چیئرمین کا فیصلہ کالعدم ہے اور اگر سیاسی سرگرمیوں کے ہٹنے کے بعد مرکزی کمیٹی میں یہ فیصلہ زیر بحث آ بھی گیا تو کمیٹی کے ارکان کی اکثریت اسے مسترد کر دے گی۔ یہ موقف سیاسی حلقوں کے حوالے سے اس لئے بیان کیا گیا کہ سیاسی سرگرمیوں پر پابندی ہے اور اس لئے بھی اس کی ضرورت محسوس ہوئی کہ اول تو نیشنل گورنمنٹ میں ان کو بطور عہدے دار پیپلز پارٹی شریک ہو سکے اور دوسرے یہ کہ قائمقام چیئرمین کے فیصلے کے خلاف اپیل نہ کرنے کا جواز یہ بتایا جا سکے کہ سیاسی سرگرمیوں پر پابندی تھی ورنہ ایک ماہ کے اندر ہی اندر اپیل کر دی جاتی یہ اجازت ختم ہونے سے ایک روز پہلے اخبارات میں اس کے اظہار عہدے سے چمٹے رہنے کی خواہش کا بھی مظہر ہے اس بیان کے چھپنے کے ساتھ ہی مولانا کے اس ذاتی روزنامہ نے راولپنڈی سے اپنی اشاعت ناگزیر وجوہات کی بناء پر ختم کر دی ہے مولانا کوثر نیازی نے اخبار کی اشاعت کے آخری روز یہ بیان چھپوا کر عبوری حکومت کی یہ مشکل بھی دور کر دی ہے ورنہ ان کو وضاحت کرنا پڑتی کہ مولانا پیپلز پارٹی کے سیکریٹری اطلاعات ہیں۔ مولانا کوثر نیازی جن کا اصل نام حیات محمد ہے آج کل اپنے اخبار حیات کے راولپنڈی اور لاہور کے دونوں ایڈیشنوں کے بند ہو جانے سے خوش سے ہیں محسوس ہوتا ہے کہ کسی سمجھوتے کی وجہ سے اخبار کی اشاعت بند کی گئی ہے ورنہ کئی روز سے اخبار کے صفحہ اول پر امداد فی سبیل اللہ کا اشتہار چھپ رہا تھا جس کے مثبت نتائج بھی برآمد ہوئے تھے سمجھنے کی بات یوں دل کو لگتی ہے کہ جس روز اخبار کا آخری شمارہ مارکیٹ میں آ رہا تھا۔ اس سے ایک روز پہلے اخبار کے راولپنڈی کے دفتر میں ایک مجسٹریٹ درجہ اول تشریف لائے تھے۔ انہوں نے کچھ کاغذات پر ایڈیٹر سے دستخط کرائے اور چلے گئے۔ اگلے روز اعلان شائع ہوا کہ بعض ناگزیر وجوہ کی بنا پر ہم اپنی اشاعت جاری نہیں رکھ سکتے۔ اصل میں بے وقوف سے بے وقوف مالک بھی اخبار کی اشاعت ختم کرنے کا اعلان مہینے کی آخری تاریخوں میں نہیں کرتا تاکہ پھر نیوز ایجنٹوں سے بلوں کی وصولی مشکل ہو جاتی ہے لیکن اگر کوئی معاملہ طے پا جائے اور پہلے ہی منافع کی توقع ہو تو یہ حماقت بھی کر لی جاتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ مولانا کوثر نیازی کے ذاتی حالات کے ساتھ ساتھ ان کے ذاتی اخبار کے حالات بھی آئندہ ایک دو ہفتے میں بہت زیادہ بہتر ہو جائیں۔ اخبار پھر شائع ہونے لگے اور مولانا پھر ایوانِ اقتدار میں داخل ہو جائیں مگر اس وقت تک کئی دوسرے اخبار بند ہو چکے ہوں گے اور مثبت نتائج کے حصول کے لئے باقاعدہ منصوبہ پر عمل شروع ہو چکا ہو گا۔

چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر جنرل ضیاالحق صاحب نے پشاور میں اخبار نویسوں سے بات چیت کے دوران کہا کہ قومی حکومت بنانے کی تجویز پر اس وقت تک عمل نہیں کیا جائے گا جب تک تمام سیاسی جماعتوں کو اس میں شامل ہونے پر رضامند نہ کر لیا جائے۔ جنرل صاحب کا یہ بیان پی این اے کے ایوانوں پر بجلی بن کر گرا اور خواہشات کو جلا کر خاکستر کر گیا کہ انہوں نے سوچا تھا کہ ہم بلا شرکت غیرے حکومت کے مالک ہوں گے۔ اگلے روز جنرل ضیاالحق صاحب نے لاہور میں پریس کانفرنس سے خطاب کے دوران پاکستان میں سیاسی جماعتوں کی تعداد ۶۷ بتائی ہے۔ اگر جنرل صاحب کے پشاور کے ارشاد اور لاہور کی پریس کانفرنس کو ملا کر پڑھا جائے تو بڑی ہولناک صورت حال سامنے آتی ہے۔ دونوں بیانوں کو ایک ساتھ ملا کر نہ پڑھنے کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی کہ ان کے درمیان ایک دو روز سے زیادہ کا وقفہ نہیں ہے اور جنرل صاحب کوئی بات سوچے سمجھے بغیر نہیں کہہ گئے۔ خدا نہ کرے ان کا مطلب وہی کچھ ہو جو ہم نے اور دوسروں نے سمجھا ہے۔ اگر ایسا ہوا تو پھر پاکستان میں دنیا کے کسی بھی مہذب یا غیر مہذب ملک سے زیادہ وزرا ہوں گے۔ سیاسی جماعت سے ایک ایک شخص بھی ہو تو کیا حال ہو گا۔ یوں تو کئی جماعتیں اس وقت ایسی ہیں جن سے ایک سے زیادہ وزیر قومی حکومت میں شامل ہونے کا امکان ہے۔ ویسے بھی قومی حکومت کے قیام کے لئے جو چند افراد سردارِ قوم کے علاوہ شد و مد سے کوشاں ہیں ان کی ایک مجبوری ہمارے علم میں بھی ہے کہ وہ سیاست دان ہیں اور ابھی مبینہ بدعنوان سیاستدانوں کی دوسری فہرست نہیں شائع ہوئی ہے۔ اگر قومی حکومت بنے اور ان لوگوں کے نام کابینہ میں آ جائیں تو دوسری فہرست میں نام آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اصول یہ ہے کہ صاحب اقتدار کے سوا باقی سب دوسرے بدعنوان، چور، بدمعاش، اچکے اور نجانے کیا کیا ہوتے ہیں۔

ہم دن رات سوچتے ہیں اور اپنی سوچ کو ایک سوال کا روپ دے کر چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر جنرل ضیاالحق صاحب سے پوچھتے ہیں کہ کیا قومی حکومت کے قیام سے وہ تمام مسائل ختم ہو جائیں گے جو اس وقت ہمیں درپیش ہیں اور کیا قومی حکومت کے کئے ہوئے فیصلوں کو پوری قوم قبول کر لے گی۔ اگر وہ واقعی سمجھتے ہیں کہ ایسا نہیں ہے تو پھر انہیں اپنے خدا اور ضمیر سے کئے ہوئے وعدے کے مطابق انتخابات کی تاریخ کا اعلان کر دینا چاہئے۔ اس سلسلے میں ہماری ایک تجویز ہے کہ سیاسی کنونسنگ کی ہرگز اجازت نہ ہو، سیاسی جماعتیں اپنے امیدواروں کی فہرست کا اعلان کر دیں اور مقررہ قواعد کے مطابق مقررہ تاریخ پر براہِ راست انتخابات کرا دیئے جائیں یہ تجویز تمام سیاسی جماعتیں مان لیں گی۔ ہو سکتا ہے بلکہ یہ حقیقت ہے کہ جنرل ضیاالحق صاحب کے اردگرد جو افراد ہیں وہ ان سے کسی مسئلے پر حتمی وعدہ عوام کے سامنے کرانے کے بعد اس کی تکمیل کی راہ میں رکاوٹ بن جاتے ہیں اور شرمندگی جنرل صاحب کو ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر ۱۸ اکتوبر کے انتخابات کے التوا کا اعلان، اس کے بعد ۲۳ مارچ کو ملک میں اسلامی قوانین کے نفاذ کا اعلان جنرل صاحب سے پشاور میں کرا دیا گیا اور بعد میں ایسے حالات پیدا کر دیئے گئے کہ ان کے لئے اس وعدہ پر پورا ہونا مشکل ہو گیا۔ اس صورت حال کا حل یہ ہے کہ تاریخ جو جنرل ضیاالحق صاحب نے اپنے ذہن میں محفوظ رکھی ہے۔ اس کا اعلان کئے بغیر انتخابی قواعد شروع کرا دیں۔ انتظامیہ پر گرفت اور سخت رکھیں کہ امنِ عامہ کی صورتحال خراب نہ ہو جب سارا اہتمام ہو جائے اور امیدواروں کے نام آخری شکل پا جائیں تو ایک ہفتے کے نوٹس پر انتخابات کرائے جائیں۔ اس کے لئے بیلٹ پیپر پہلے سے تیار کئے جا سکتے ہیں۔ صرف پولنگ سٹیشنوں کا قیام باقی رہ جائے جو ایک ہفتے کی مدت میں کر لیا جائے اور عبوری قومی حکومت کی بجائے اقتدار منتخب حکومت کو سونپ کر فوج بیرکوں میں واپس چلی جائے۔ صرف اسی طرح تاریخ میں جنرل ضیاالحق کا نام ایک منصف مزاج محبِ وطن پاکستانی کے نام سے محفوظ رہ سکتا ہے۔

بعدالت سپریم کورٹ آف پاکستان
ترمیم شدہ درخواست

فتحیاب علی خان بنام وفاق پاکستان، ۲ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر

مارشل لاء پاکستان کے نظریئے سے ہی متنفر ہے

ترمیم شدہ درخواست

بعدالت سپریم کورٹ آف پاکستان

کانسٹی ٹیوشنل پٹیشن نمبر۔ آر ۱۱/۷۷

[illegible]ب علی خان ولد نجبا در خان مسلم بالغ ایڈووکیٹ

امین کورٹ سہراب کٹرک روڈ صدر کراچی

درخواست گذار

بنام

۱۔ وفاق پاکستان

۲ بتوسط سیکرٹری کیبنٹ سیکرٹریٹ - اسلام آباد

اسلام آباد۔ ——— .. مدعا علیہان

....

درخواست تحت آرٹیکل ۱۸۴ (۳)، دستور اسلامی جمہوریہ پاکستان

درخواست گذار مذکورہ بالا حسب ذیل معروضات پیش کرنے کی اجازت چاہتا ہے

۱۔ کہ درخواست گذار ہائیکورٹ آف سندھ میں انرول شدہ ایک ایڈووکیٹ، جمہوریت پسند اور محب وطن ہے ایک وکیل کی حیثیت سے اس نے ہمیشہ عدلیہ کی آزادی، قانون کی حکمرانی اور قانون کے سامنے مساوی حیثیت کے لیے جدوجہد کی ہے اور بار ایسوسی ایشنز اور دوسرے فورموں میں مضامین، بیانات اور تقاریر کے ذریعے دستور میں چوتھی، پانچویں اور چھٹی ترامیم کی مخالفت کی ہے۔ درخواست گذار ایک سیاسی جماعت کا نائب صدر ہے جو "پاکستان ورکرز پارٹی" کے نام سے جانی جاتی ہے اور مارچ ۷۷ء میں منعقد ہونے والے عام انتخابات میں دو حلقوں یعنی این اے ۱۹۲-کراچی ۱۱ - اور این اے ۱۹۱-کراچی نمبر ۱۰ سے انتخاب میں مقابلہ کیا تھا۔

۲۔ کہ درخواست گذار کو مرحوم فیلڈ مارشل محمد ایوب خان کی مارشل لائی حکومت کے دوران سزا دی گئی تھی۔ یہ سزا ایسی ایسے عمل کے لیئے نہیں جس میں اخلاقی خباثت شامل ہو۔ انصاف کے تمام مسلمہ اصولوں کی خلاف ورزی کرتے ہوئے نافذ کی گئی تھی اس طرح درخواست گذار کو اس بات کا بھرپور احساس ہے کہ قانون کی حکمرانی، شہری حقوق اور آزادیاں، جو جمہوری آزاد اور مہذب معاشرے کے لیئے حیات بخش خون ہیں سے مارشل لاء قطعی متضاد ہے درخواست گذار مزید عرض کرتا ہے کہ مارشل لاء پاکستان کے نظریئے سے ہی متنفر ہے جو برصغیر کے مسلمانوں کی طویل اور پرعزم جدوجہد سے وجود میں آیا۔ جنہوں نے ایک ایسا وطن حاصل کرنے کے لیئے بے شمار قربانیاں دیں جہاں وہ ایک جمہوری معاشرے میں آزاد شہریوں کی حیثیت سے رہ سکیں ۱۹۴۰ء کی قرارداد پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی کے ۱۱ اگست ۱۹۴۷ء کے پہلے اجلاس سے قائد اعظم کا خطاب اور بعد کے دستوری، قانون ساز اور عدلی اعلانات پاکستان کو علت غائی (RAISON DE'TRE) دیتے ہیں اور اس کی حکومت اور نظم و نسق کے لیے سلم طریق کا تعین کرتے ہیں۔ دراصل قائد اعظم کا مذکورہ بالا خطاب پاکستانی قانونی نظام کا بنیادی طریق ہے

۳۔ کہ پاکستان، جو اس کے عوام کی فلاح و بہبود کے لیئے وجود میں لایا گیا تھا جنہیں بنیادی حقوق اور جمہوری طرز زندگی کی ضمانت قائد اعظم نے دی تھی۔ ان کی وفات کے بعد بدقسمتی سے سیاسی مہم جوئیوں کے لیئے جنت بن گیا۔ پہلی دستور ساز اسمبلی جو برصغیر کے مسلمانوں کی بنائی ہوئی ایک امانت تھی کو پاکستان کے گورنر جنرل نے غیر قانونی طور پر توڑ دیا اور ان کے اقدام پر بدقسمتی سے فیڈرل کورٹ آف پاکستان نے قانونی ہونے کی مہر ثابت کر دی۔ ۱۹۵۶ء کے دستور کو ایک غاصب نے منسوخ کر دیا۔ اور ۱۹۶۲ء کے دستور کو ایک دوسرے غاصب نے مٹا دیا۔ ۱۹۵۸ء اور ۱۹۶۹ء کے مارشل لاؤں نے ملک میں ایسی تباہی پھیلائی کہ دسمبر ۱۹۷۱ء میں پاکستان اپنے مشرقی بازو سے محروم ہو گیا۔ اس ٹوٹ پھوٹ کے نتیجے میں ہزاروں جانوں کا نقصان ہوا اور جائیداد کو بے اندازہ نقصان پہنچا وہ جو بچ گئے ناقابل بیان اور ذہنی آلام کا شکار ہوئے۔

۴۔ کہ درخواست گذار اس نازک اور مشکل کردار کو تسلیم کرتا ہے جو مسلح افواج کو سرحدوں کو برقرار رکھنے اور ان کا دفاع کرنے میں ادا کرنا پڑتا ہے اس کے دوستوں، رشتہ داروں اور برادری کے لوگوں کی ایک بڑی تعداد پاکستان کی مسلح افواج میں خدمت انجام دے رہی ہیں۔ لیکن درخواست گذار

پاکستان سیاسی مہم جویوں کیلئے جنت بن گیا ہے

اس حقیقت کی طرف سے آنکھیں نہیں بند کر سکتا کہ ۱۹۵۸ء سے ۱۵۰ میجر جنرل، لیفٹیننٹ جنرل، بحریہ اور فضائیہ میں ان کے مماثل عہدہ رکھنے والے افسران ریٹائر ہو کر یا دوسری طرح، براہ راست یا بالواسطہ طریقے پر پاکستان کی سیاست میں ملوث رہے ہیں۔ ریٹائر ہونے والے افسران کی حیثیت میں بھی وہ کافی اثر و رسوخ رکھتے ہیں اور نتیجتاً ان کے مختلف اقدامات کا جھکاؤ مسلح افواج کو مختلف سمتوں میں کھینچنے کی طرف ہوتا ہے جو مسلح افواج کی عسکری روح کو برقرار رکھنے کا دشمن ہے اور مسلح افواج کی صلاحیت جنگ کو کمزور کرتا ہے اس کا اعتراف خود مدعا علیہ نمبر ۲ نے ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کو کی جانے والی اپنی مختلف تقریروں اور بیانات میں کیا ہے ان کے مطابق چوتھا مارشل لا ملک کے تحفظ کو شدید خطرے سے دوچار کر دے گا۔

۵۔ کہ ۱۹۷۳ء میں قومی اسمبلی جو پاکستان کے عوام کے منتخب نمائندوں پر مشتمل تھی، میں دستور کی منظوری نے ان میں تحفظ کے زبردست احساس کو دوبارہ جنم دیا۔ مارشل لا کی عوام، ان کے منتخب نمائندوں اور ان کے ساتھ ساتھ عدلیہ نے بھی مذمت کی۔ اسما جیلانی مقدمے میں اس معزز عدالت کا مشہور فیصلہ مہم پسندوں اور غاصبوں کے تابوت میں آخری کیل تھا مگر اس سے پہلے کہ دستور میں دیئے گئے جمہوری عمل کی تکمیل ہوتی۔ اس دستور کو بھی التوا میں ڈال دیا گیا ستم ظریفی یہ کہ اس وقت جب کہ ملک میں دستور کے مطابق دوبارہ انتخابات کا زبردست مطالبہ تھا۔ اس طرح ان لوگوں کو جو جمہوری اقتدار کے قیام کے لیے جدوجہد کر رہے تھے انہیں مارشل لا کا منہ دیکھنا پڑا۔ جو مدعا علیہ نمبر ۲ نے نافذ کیا تھا۔ بہرحال چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر کی حیثیت میں اپنی پہلی تقریر میں انہوں نے جمہوریت کی بحالی کی یقین دہانی کرائی مدعا علیہ نمبر ۲ نے نئے انتخابات منعقد کرنے کی تاریخ کے طور پر ۱۸ اکتوبر ۱۹۷۷ء کی تاریخ مقرر کی۔

۶۔ کہ مدعا علیہ نمبر ۲ نے بعد میں انتخابات کے لیے کسی نئی تاریخ کا اعلان کیے بغیر ۱۸ اکتوبر ۱۹۷۷ء کو ہونے والے مجوزہ انتخابات ملتوی کر دیئے۔ ان کے مطابق عوامی عہدوں پر فائز رہنے والوں کے احتساب کے لیے یہ اقدام ضروری تھا گو کہ مدعا علیہ نمبر ۲ نے پہلے کہا تھا کہ احتساب کے عمل پر عوام کے منتخب نمائندے عمل کریں گے

۷۔ کہ سی پی آر ۱ بابتہ ۱۹۷۷ء یعنی بیگم نصرت بھٹو بنام چیف آف آرمی اسٹاف وغیرہ کی سماعت کے دوران اٹارنی جنرل نے اس معزز عدالت کو یقین دلایا تھا کہ احتساب کے لیے چھ ماہ کی مدت درکار ہوگی اور اس کے بعد دو ماہ میں انتخابات منعقد ہوں گے۔ عرض ہے کہ مذکورہ مدت قریب الاختتام ہونے کے باوجود الیکشن کا کوئی پتہ نہیں اور مدعا علیہ نمبر ۲ غیر قانونی طور پر دستور اور مذکورہ مقدمے میں اس معزز عدالت تسلیم کردہ ان کے اختیار کی خلاف ورزی کرتے ہوئے قومی حکومت تشکیل کرنے پر غور کر رہے ہیں۔

۸۔ اس معزز عدالت نے سی پی نمبر ۱ بابتہ ۱۹۷۷ء کا فیصلہ کرتے ہوئے مدعا علیہ نمبر ۲ کے اختیار کو نظریۂ ضرورت کی بنیاد پر جائز قرار دیا۔ اور اس رائے کا اظہار کیا کہ "مارشل لا کے نفاذ کے ظاہر کردہ مقاصد یہ ہیں کہ ۱۹۷۳ء کے دستور کی ان شرائط کے مطابق جنہیں التوا میں نہیں رکھا گیا ہے۔ یعنی وہ حصے جن کا تعلق وفاقی اور صوبائی انتظامیہ اور مقننہ سے ہے کے مطابق آزادانہ اور منصفانہ انتخابات منعقد کرانے کے لیے موزوں حالات پیدا کیے جائیں۔" اس بارے میں اس معزز عدالت نے مزید کہا "پولنگ کے فوری بعد اقتدار عوام کے منتخب نمائندوں کو منتقل کیا جاتا ہے یہ درست ہے کہ عوامی عہدوں پر فائز رہنے والوں کے احتساب کے عمل کو مکمل کرنے کی ضرورت کے تحت انتخابات کے انعقاد کا فی الحال ملتوی کیا جانا ضروری تھا۔ لیکن چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر کی ظاہر کردہ نیت اب بھی یہی ہے یعنی ...... آزادانہ اور منصفانہ انتخابات کے انعقاد کا انتظام کرنا تاکہ ملک کو جمہوری طرز زندگی کی طرف لوٹنے کے قابل بنایا جا سکے"

مزید عرض یہ ہے کہ اس معزز عدالت نے چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر کے ماورائے دستور اقدامات کو جائز قرار دیتے ہوئے اس توقع کا اظہار کیا تھا کہ مدعا علیہ نمبر ۲ اپنے حتمی وعدے کی تکمیل کریں گے کہ دستور سے انحراف کی مدت ممکنہ حد تک مختصر ہوگی۔ اور یہ کہ "اس مدت کے دوران ان کی تمام توانائیاں آزادانہ اور منصفانہ انتخابات کے انعقاد کے لیے سازگار حالات پیدا کرنے پر مرکوز ہوں گی۔ جس کے نتیجے میں دستور کے تقاضوں کے مطابق جمہوری حکومت بحال ہوگی۔"

۹۔ مدعا علیہ نمبر ۲ مذکورہ بالا مقدمے میں اس معزز عدالت کی ظاہر کردہ رائے کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے دستور سے انحراف کی مدت کو طول دینے کو جائز قرار دیتے رہے تھے اور بتدریج خود سیاسی عمل کے فریق اول بن گئے ہیں انہوں نے مقدس مذہب اسلام کے نام پر ایسے اقدامات شروع کر دیئے ہیں جو ان کے اقتدار کی علانیہ غیر دستوری اور عبوری نوعیت کی وجہ سے متنازعہ فیہ بنتے جا رہے ہیں عرض یہ ہے کہ انہوں نے غیر دستوری طور پر مشیر مقرر کیے ہیں اور مارشل لا احکام اور ضابطے جاری کیے ہیں۔ جن سے انتخابات میں مزید تاخیر ہوگی۔ مذکورہ بالا مقدمے میں اس معزز عدالت کے فیصلے کے بعد ان کی طرف سے کیے جانے والے اقدامات کا مجموعی تاثر یہ ہے کہ اب وہ اقتدار عوام کے منتخب نمائندوں کو منتقل کرنا نہیں چاہتے، عرض یہ ہے مدعا علیہ نمبر ۲ کو ایسے بہت سے کام کرنے کا اختیار نہیں ہے جو وہ کر رہے ہیں۔ کیونکہ جیسا کہ اس معزز عدالت نے تعین کیا ہے کہ نظریہ پاکستان میں اسلامی نظریہ شامل ہے کہ "مقتدر اعلیٰ اللہ ہے اور اسے عوام کے منتخب نمائندوں کی طرف سے اللہ کی جانب سے ایک مقدس امانت کے طور پر استعمال ہونا چاہیے۔" لہٰذا عرض یہ ہے کہ مدعا علیہ نمبر ۲ نہ تو خدا کے منتخب کردہ فرد ہیں نہ ہی وہ عوام کے منتخب کردہ نمائندے ہیں۔ اس لیے انہیں یہ حق حاصل نہیں ہے کہ انہیں حاصل اختیارات کو اپنی پسند کا اسلام نافذ کرنے کے لیے استعمال کریں۔

۱۰۔ ایک اہم عنصر جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مدعا علیہ نمبر ۲ انتخابات منعقد کرنے سے بچنے پر اکسایا ہے۔ ان کا یہ اندیشہ ہے کہ عوام کے منتخب نمائندے انہیں اور ان کے رفقائے کار کو دستور کی خلاف ورزی کی بنا پر احتساب کے عمل کا اطلاق کریں گے اور مقدمہ چلائیں گے۔ اس لیے انہوں نے کھلے بندوں کہا ہے کہ وہ انتخابات صرف اس وقت منعقد کریں گے۔ جب انہیں ان کے تصور کردہ "مثبت نتائج" کا یقین ہو جائے۔

۱۱۔ کہ درخواست گزار ایک جمہوریت پسند اور محب وطن شہری کی حیثیت سے یہ سمجھتا ہے۔ انتخابات میں ووٹ دینا اور انتخاب لڑنا اس کا ناقابل تنسیخ حق ہے اور پاکستان میں ۱۹۷۳ء کے دستور کے مطابق ہونے والے انتخابات لڑنا چاہتا ہے۔ آج کی تاریخ تک انتظار کرنے کے بعد درخواست گزار اب قائل ہو گیا ہے۔ مدعا علیہ نمبر ۲ مذکورہ بالا مقدمے میں دیئے گئے اختیارات استعمال کرنا چاہتے ہیں تاکہ غیر معینہ مدت

فتحیاب علی خان

کے لیے اپنی ماوراء دستور حیثیت میں خود کو برقرار رکھ سکیں۔

۱۲۔ مزید گزارش یہ ہے کہ مدعا علیہ نمبر ۲ نے ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کو اقتدار پر قبضے کے ذریعے پاکستانی عوام کی امیدوں اور بلند نصب العین کو مکمل طور پر ناکام کر دیا ہے۔ مدعا علیہ نمبر ۲ نے کئی موقعوں پر حتمی وعدے کر کے اور ان کی خلاف ورزی کر کے فوج کے وقار کو قومی اور بین الاقوامی سطح پر گرا دیا ہے۔ اس سے صرف ایک نتیجہ برآمد ہوا ہے کہ فوج اور پیشہ ور سپہ گری کی دیانت اور ایمانداری کو شدید نقصان پہنچا ہے۔ اور مدعا علیہ نمبر ۲ ایک خراب سپاہی اور ہولناک سیاستداں کے طور پر ابھرتے ہیں۔

۱۳۔ کہ مدعا علیہ نمبر ۲ نے حال ہی میں دھمکی دی ہے کہ وہ ان کے ناقدین کے خلاف سخت اقدامات کریں گے۔ اور ان کے اقدامات کے مخالف ملک کے پانچ فیصد عوام کو خاموش کرنے کی حد تک جائیں گے۔ سادہ جمع کے ذریعے یہ تعداد ۳۵ لاکھ کے حیران کن ہندسے تک پہنچتی ہے۔ مدعا علیہ نمبر ۲ کی بار بار کی ان دھمکیوں کے نتیجے میں۔ درخواست گزار اپنی جان کے بارے میں خوفزدہ ہے۔ سیاہ ستمبر تحریک سے قبل مدعا علیہ نمبر ۲ کی مدد سے کیے جانے والے فلسطینیوں کے بے رحمانہ قتل کی رپورٹوں سے اس کے اندیشوں کو تقویت پہنچتی ہے۔

۱۴۔ کہ مدعا علیہ نمبر ۲ نے کئی اور ایسے اقدامات کیے ہیں جو دستور کے خلاف ہیں اور جو نظریۂ ضرورت کے تحت بھی جائز نہیں ہیں اس طرح انہوں نے ملک کو ایسی صورتحال میں لا کھڑا کیا ہے جس میں قانون کی حکمرانی اور جمہوریت کے پرخچے اڑ گئے ہیں ان کی جگہ اب جو چیز چھائی ہوئی ہے وہ ایک فرد کی مرضی ہے جنہیں عوام کی طرف سے کوئی اختیار حاصل نہیں ہے اور جنہیں یہ اختیار دستور کی رو سے بھی حاصل نہیں ہے۔ ان حالات میں ملک میں الجھاؤ، بے یقینی اور لاقانونیت کی حالت پیدا ہو گئی ہے۔

۱۵۔ کہ مدعا علیہ نمبر ۲ نے عدلیہ کو بھی سیاست میں گھسیٹ لیا ہے اور ہائیکورٹوں کے مستقل چیف جسٹسوں کو صوبوں کے قائم مقام گورنروں کی حیثیت میں تقرر کے ذریعہ عدلیہ کو انتظامیہ کا ایک حصہ بنا دیا ہے قائم مقام گورنروں کی حیثیت میں چیف جسٹسوں نے تمام صوبوں میں آرڈیننس نافذ کیے ہیں۔ اقدامات کیے ہیں اور صوبے کی انتظامیہ کے حکام کو ہدایات دی ہیں اس طرح مدعا علیہ نے اپنی سی کوشش کی ہے کہ دستور سے انحراف کے زمانے میں عدلیہ کو مارشل لا حکومت کے چھوٹے حصہ دار کے طور پر شامل کریں ہائی کورٹوں کے سربراہ کم از کم نظری اعتبار سے دستور سے انحراف کے دور میں کئی ماورائے دستور قوانین نافذ کر کے مارشل لا حکومت کا ایک حصہ بن گئے ہیں بجائے اس کے کہ وہ حکومت پر انصاف کرنے بیٹھتے اور اس پر عدالتی اختیار استعمال کرتے علاوہ ازیں مدعا علیہ نمبر ۲ نے سیاستدانوں پر مقدمے چلانے کے لیے ٹریبونل قائم کیے ہیں جن میں ہائیکورٹوں کے ججوں کے ساتھ فوجی افسروں کو مقرر کیا گیا ہے درخواست گزار انتہائی انکسار کے ساتھ عرض کرتا ہے کہ لاہور ہائیکورٹ کے قائم مقام (اب مستقل) چیف جسٹس کا بحیثیت عبوری چیف الیکشن کمشنر تقرر جبکہ وہ لاہور ہائیکورٹ کے چیف جسٹس کے فرائض بھی انجام دے رہے ہوں دستور سے انحراف کے دور میں عدلیہ کے اختیارات، بالادستی اور عدالتی اختیار کے نکتۂ نظر سے غیر صحتمند ہے۔ چیف الیکشن کمشنر کی حیثیت میں مسٹر جسٹس مشتاق حسین کو مدعا علیہ نمبر ۲ سے کئی بار ملاقات کرنی پڑی۔ جیسا کہ چند اخبارات میں خبر شائع ہوئی لاہور ہائیکورٹ کے چیف جسٹس کو نواب محمد احمد خان کے قتل کے مقدمہ کو محفوظ کر لیے جانے کے بعد بھی مدعا علیہ نمبر ۲ کو مصلحت کے خلاف ملاقات قائم کرنی پڑی۔ عرض یہ ہے کہ غیر سیاسی اور غیر جانبدار مسلح افواج اور عدلیہ ایک جمہوری اور خوشحال پاکستان کے دو مضبوط ترین ستون ہیں۔ اور ان دو مقدس اداروں کو دور سے بھی سیاسی عمل میں ملوث کرنے والا کوئی کام نہیں ہونا چاہیے۔

۱۶۔ ہائیکورٹ کی سطح پر عدلیہ کو ثانوی حیثیت میں لانے کی نسبتاً کامیابی پر قانع نہ ہو کر مدعا علیہ نمبر ۲ نے ملک کے اعلیٰ ترین عدالتی ادارے یعنی سپریم کورٹ میں بھی مداخلت کی اور اس معزز عدالت کے ایک جج

150 اعلیٰ فوجی افسر پاکستان کی سیاست میں براہ راست یا بالواسطہ ملوث رہے ہیں

چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر، بروہی، پیرزادہ، جنرل چشتی، حبیب اللہ

اور گوکل کو گواہی کے لئے عدالت میں طلب کیا جائے

بعدالت سپریم کورٹ آف پاکستان

کانسٹی ٹیوشنل پٹیشن نمبر آر ۱۱/۷۸

نحیاب علیخان ولد بختاور خان . مسلم بالغ ایڈوکیٹ

۸ راین کورٹ سہراب کترک روڈ - صدر کراچی

درخواست گذار

بنام

۱. وفاق پاکستان

بتوسط سیکریٹری، کیبنٹ سیکرٹیریٹ اسلام آباد

۲- چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر - اسلام آباد

مدعا علیہان

اسلامی جمہوریہ پاکستان کے ۱۹۷۳ء کے دستور کے آرٹیکل ۱۸۷ بمعہ دفعہ ۱۵۱ - سی. پی. سی کے تحت درخواست۔

مذکورہ بالا درخواست گذار مودبانہ التماس کرتا ہے کہ یہ معزز عدالت ازراہ کرم مندرجہ ذیل افراد کو درخواست میں اٹھائے گئے نکات سے تعلق رکھنے والے ریکارڈ اور دستاویزات کے ساتھ طلب کرے کہ ذیل میں ان کے نام کے ساتھ درج معاملات کے بارے میں گواہی دیں۔

۱. چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر ضیاء الحق

ریاستی ضرورت کے موضوع پر گواہی دینے اور یہ بتلانے کے لیئے کہ وہ ریاستی ضرورت کے اس معزز عدالت کے متعین کردہ اصولوں کی خلاف ورزی کیوں کرتے رہے ہیں اور دستور کی ان تصریحات کی خلاف ورزی کیوں کرتے رہے ہیں جو اب بھی نافذ العمل ہیں۔

۲. مسٹر اے کے بروہی۔

۳. مسٹر شریف الدین پیرزادہ

یہ گواہی دینے کے لیئے کہ آیا وہ سی ایم ایل اے کو مشورہ دیتے رہے ہیں کہ دستور سے انحراف کے عرصے کو ممکنہ حد تک مختصر کریں یا اسے درپردہ مقاصد کے ساتھ طول دیں اور درخواست میں مذکور دوسرے نکات پر گواہی دینے کے لیئے۔

۴. لیفٹیننٹ جنرل فیض علی چشتی

نام نہاد قومی حکومت کے سوال پر گواہی دینے کے لیئے۔

۵. لیفٹیننٹ جنرل حبیب اللہ

قومی ملکیت سے نکالنے کی پالیسی کے بارے میں گواہی دینے کے لیئے۔

۶. مسٹر مصطفےٰ گوکل

اپنے شکوک ماضی کیا وہ اب بھی برطانوی پاسپورٹ رکھتے ہیں کے بارے میں گواہی دینے کے لیئے۔

(اب ریٹائر) کو اسلامی مشاورتی کونسل کے چیرمین کی حیثیت سے تقرر کے ذریعے اور لاہور ہائیکورٹ کے چیف جسٹس کو ترقی دیکر سپریم کورٹ کا جج بنا کر جو ابھی تک پنجاب کے قائم مقام گورنر کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں جو موجودہ حالات میں قابل اعتراض ہے۔ مدعا علیہ نمبر ۲ نے ایک بار پھر پاکستان کے اعلیٰ ترین اور مقدس ترین عدالتی ادارے کو ٹرا زخم لگانے کی کوشش کی۔ اور سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کو سول سروس کمیشن کا چیرمین مقرر کر دیا جو ایسا ادارہ ہے جس کی تجاویز کی نوعیت محض سفارشی ہو گی۔ اور مدعا علیہ نمبر ۲ انہیں قبول کریں گے یا نہ کرینگے اور ان کا نفاذ کریں گے۔ سپریم کورٹ آف پاکستان کے سربراہ کی حیثیت میں محترم چیف جسٹس اور سپریم کورٹ کے جج صاحبان ان مقدمات کا فیصلہ کرنے بیٹھیں گے جو پاکستان کی سول سروس کے ڈھانچے میں کسی تبدیلی کے نتیجے میں پیدا ہوں گے نتیجے کے طور پر سپریم کورٹ آف پاکستان کے محترم چیف جسٹس خود گھٹ کر سفارش کرنے والے رہ گئے ہیں۔ درخواست گذار انتہائی عاجزی کے ساتھ معروض ہے کہ دستور سے انحراف کے دور میں ہر ایک کی طرف سے کی جانے والی تمام سفارشات ماورا دستور سفارشات کے زمرے میں آتی ہیں جو لازمی طور پر ملک میں اب اور مستقبل میں اختلاف کا مرکز ہونگیں۔ درخواست گذار ماضی کے اس قسم کے کئی نظائر سے واقف ہے اور عاجزی کے ساتھ پرزور طریقے پر عرض کرتا ہے کہ دو غلطیاں مل کر ایک درستگی نہیں بنتیں۔ اور مزید عرض کرتا ہے کہ سابقہ نظیریں دستور سے انحراف کے زمانے میں واقع نہیں ہوئی تھیں۔ مدعا علیہ نمبر ۲ نے اکثر دعوے کیئے کہ وہ عدلیہ کا احترام کرتے ہیں اور یہ کہ ملک میں ایک ادارے کی حیثیت سے عدلیہ آزاد ہے۔ مدعا علیہ نمبر ۲ نے قانونِ حلف OATH ACT میں ترمیم کرتے وقت جو طریقہ اختیار کیا ریڈیو اور ٹی وی کے چال کو یہ دھمکی نشر کرنے کو کہا کہ اگر معزز جج صاحبان نے ۲۴ گھنٹے کے اندر نیا حلف نہیں اٹھایا تو وہ اپنے عہدوں سے محروم ہو جائیں گے ان سے ان دعوؤں کی تردید ہو جاتی ہے درخواست گذار گذارش کرتا ہے کہ اگر مدعا علیہ نمبر ۲ عدلیہ کا ذرا بھی احترام کرتے تو وہ اسے متنازعہ موقف میں ڈالنے سے احتراز کرتے یا کم از کم مذکورہ بالا عہدے کی شرائط کو سفارش کی جگہ قطعی بناتے۔

۱۷. کہ درخواست گذار پاکستان انسٹیٹیوٹ آف انٹرنیشنل افیئرز کی کونسل کا رکن ہے جو ایک غیر سیاسی ادارہ اور بین الاقوامی معاملات کے سائنسی مطالعے کو فروغ دینے کی غرض سے قائم کیا گیا تھا انسٹیٹیوٹ کو دفتر خارجہ کی طرف سے ۵۰،۰۰۰ ہزار روپے سالانہ امداد ملتی ہے اور ادارے کی بین الاقوامی معاملات اور بین الاقوامی قانون پر اچھی طرح لیس لائبریری ہے یہ سوسائٹیز ایکٹ کے تحت رجسٹرڈ شدہ ہے انسٹیٹیوٹ کی کونسل خود انسٹیٹیوٹ کے اراکین کے منتخب کردہ افراد پر مشتمل ہے مدعا علیہ نمبر ۲ نے مارشل لا ضابطے ۲۵ اور ۲۶ کا اعلان کیا کہ کوئی ایسا فرد جس نے براہ راست یا بالواسطہ طور پر سیاست میں حصّہ لیا ہو سرکاری امداد پانے والے اداروں کے کسی عہدے پر رہنے کا اہل نہیں ہوگا۔ درخواست گذار کو انجمن سازی کے بنیادی حق سے محروم کرتا ہے۔

۱۸. کہ درخواست گذار مدعا علیہ نمبر ۲ کے متعدد افعال و اقدامات کے پیش نظر اپنے بنیادی حقوق بشمول آزادی تقریر کو استعمال نہیں کر سکتا۔ درخواست گذار جو ایک سیاستکار ہے ان سیاسی سرگرمیوں میں بھی حصّہ لینے سے معذور ہے جنکی دستور اور قانون کے تحت اجازت ہے درخواست گذار مؤدبانہ عرض گذار ہے کہ اس معزز عدالت نے جن وجوہات کی بنا پر مدعا علیہ نمبر ۲ کی ماورا دستور حیثیت کو جائز قرار دیا تھا وہ اب مزید مؤثر نہیں ہیں۔

۱۹. کہ مدعا علیہ نمبر ۲ کی قلابازیوں کے پیش نظر درخواست گذار عرض کرتا ہے کہ مدعا علیہ نمبر ۲ کے تمام اعمال اور درخواست میں مذکورہ تمام حقائق کا عدالتی نوٹس لیا جائے۔

باقی صفحہ ۳۶ پر

بروہی صاحب! عوام کو بتا دیجئے

"شفقت رپورٹ" میں کیا لکھا ہے

یہ بھی کہ آپ کا تعلق کن کن اداروں سے ہے اور ہائی کمشنری سے علیٰحدہ کیوں کئے گئے

الفتح انکشاف

اچھا بھلا نام تھا "اللہ بخش خدا بخش بروہی" لیکن اس زمانے میں ہندوستان پر گوروں کی حکومت تھی۔ اور اُن کے ناموں سے مماثلت رکھنے والے کالے بابو ہی اُن کی قربت حاصل کر سکتے تھے۔ مثلاً "ڈی پی مینن، جی احمد وغیرہ"، ہمارے اللہ بخش خدا بخش بروہی کو بھی گوروں کی قربت عزیز تھی۔ چنانچہ وہ "اللہ بخش خدا بخش بروہی" سے اے کے بروہی بن گئے۔ اب یہی بروہی صاحب چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر کے مشیر برائے مذہبی اور اقلیتی امور ہیں۔

مذہبی امور کے مشیر ہونے کی وجہ سے مسٹر بروہی آج کل پوری قوم کو پند و نصائح سے نواز رہے ہیں اور مولانا مودودی ان کے پیر و مرشد بنے ہوتے ہیں۔ ویسے پیشے کے اعتبار سے بروہی صاحب وکیل ہیں اور وکالت کے پیشے کے بارے میں مولانا مودودی کا کہنا ہے "وکالت قانون الٰہی کے خلاف کھُلی بغاوت اور زنان بازاری کے بعد دوسرے نمبر پر کسب حرام ہے" (مولانا مودودی۔ رسائل و مسائل طبع اول صفحہ ۱۳۴) مگر مودودی صاحب کا یہ فتویٰ پرانا ہے۔ مولانا بھی "نظریہ ضرورت اور قانون ضرورت" پر یقین بلکہ عقیدہ رکھتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے مذکورہ فتویٰ پر خط تنسیخ کھینچ دیا ہے۔ جب ہی تو ایک وکیل مولوی میاں طفیل کو جماعت اسلامی کا امیر بنایا گیا ہے۔

میاں طفیل کے تذکرے کو چھوڑیئے۔ وہ تو بیچارے جماعت اسلامی کے تنخواہ دار ملازم ہیں۔ ۲۲ گریڈ کی تنخواہ پاتے ہیں۔ ذکر ہو رہا تھا۔ مسٹر بروہی کا، جن کا پیشہ وکالت ہے۔ اور وہ کوئی معمولی وکیل بھی نہیں۔ بڑے بڑے تاریخی مقدمے لڑے ہیں اور جمہوریت اور آمریت کے مقدموں میں ہمیشہ آمریت کی پیروی کی ہے۔ اور "خدا کے فضل" سے وہ مقدمے جیتے بھی ہیں۔

مسٹر بروہی پہلی مرتبہ مشاورت یا وزارت کے عہدے پر فائز نہیں ہوئے۔ محمد علی بوگرہ کی کابینہ میں بروہی صاحب وزیر تھے، اُس زمانے کے بہت سے ناگفتنی واقعات مشہور ہیں۔ بتایا جاتا ہے کہ اس زمانے میں موصوف نے ایک کوٹھی کا سودا کیا، پھر نجانے کیا حادثہ پیش آیا کہ معاملہ وزیر اعظم محمد علی بوگرہ تک پہنچا۔ انہوں نے جو فیصلہ کیا وہ راز میں رکھا گیا کیوں کہ بروہی صاحب اس وقت مرکزی وزیر تھے اور ہمارے ملک میں برسر اقتدار لوگوں کے خلاف کوئی کارروائی نہیں ہوتی۔

بروہی صاحب بزعم خود "اسلام پسند" مفکر ہیں اور "آزادیٔ تہذیب" کے بھی متوالے ہیں۔ "سرد جنگ" کے دوران امریکہ نے کانگریس آف کلچرل فریڈم بنائی۔ ایک زمانے میں اس ادارے کا بہت چرچا تھا۔ اس کی شاخیں امریکہ، برطانیہ، فرانس، بھارت، پاکستان اور "آزاد دنیا" کے تقریباً تمام ممالک میں قائم تھیں۔ اس ادارے کے ترجمان جریدے کا نام "ان کاؤنٹر" تھا۔ جو کئی زبانوں میں شائع ہوتا تھا۔ اس کے مدیر برطانیہ کے اسٹیفن اسپنڈر تھے۔ اور پاکستان میں اس تنظیم کے روح رواں بروہی تھے وہ کانگریس کے مرکزی اجلاسوں میں باقاعدگی سے شرکت کرتے تھے اور پاکستان کی نمائندگی کرتے تھے۔

پھر حُسن اتفاق سے امریکی کانگریس اور اخباروں میں رسوائے زمانہ امریکی ادارے جاسوسی "سی آئی اے" کے بارے میں تحقیقات ہوتی۔ دستاویزی ثبوت پیش کئے گئے اور یہ راز کھُلا کہ کانگریس آف کلچرل فریڈم، سی آئی اے کا ذیلی ادارہ ہے۔ اور اس کے تمام اخراجات سی آئی اے برداشت کرتی ہے۔ یہ راز کھلنے پر بہت شور مچا۔ اسٹیفن اسپنڈر نے "ان کاؤنٹر" کی ادارت سے استعفیٰ دے دیا اور استعفے میں لکھا کہ "میں امریکہ کے لئے جاسوسی نہیں کر سکتا"۔ لیکن "اسلام پسند مفکر" مسٹر بروہی نے استعفیٰ دینا تو درکنار احتجاج تک نہیں کیا۔

مسٹر بروہی نہ صرف کانگریس آف کلچرل فریڈم کے روح رواں رہے ہیں بلکہ انٹرنیشنل جیورسٹ کانگریس کے بھی پاکستان میں کرتا دھرتا ہیں۔ اس کے سالانہ اجلاسوں میں پاکستان سے مسٹر بروہی اور موجودہ اٹارنی جنرل شریف الدین پیرزادہ شرکت کرتے ہیں۔ اس ادارے کے بارے میں بھی انکشاف ہوا ہے کہ یہ سی آئی اے کا ذیلی ادارہ ہے۔ ان حقائق کے پیش نظر کیا یہ نہیں کہا جا سکتا کہ مسٹر بروہی نے اپنا علم و دانش امریکی سامراج کے ہاتھوں رہن رکھ دیا ہے۔ مضائقہ تو خیر اس میں بھی نہیں کیونکہ فاؤسٹ جیسے دانائے روزگار نے بھی اپنا علم شیطان کے ہاتھوں رہن رکھ دیا تھا۔ اور مسٹر بروہی گوئٹے کے فاؤسٹ سے بڑے عالم نہیں۔

اس امر کا اعتراف تو خود مسٹر بروہی کر چکے ہیں کہ ایوب خان نے ۱۹۶۲ء میں اُنہیں پاکستان کا ہائی کمشنر بنا کر بھارت اس لئے بھیجا تھا کہ وہ ایوب خان کی اُس تجویز، جس میں ایوب خان نے امریکہ کے اشارے پر پاک بھارت مشترکہ دفاع کی پیش کش کی تھی، کے

(باقی صفحہ ۳۶ پر)

مسٹر مصطفیٰ گوکل، چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے مشیر برائے شپنگ اور ایکسپورٹ پروموشن ہیں۔ مشیر بننے سے قبل لندن میں مقیم تھے۔ پاکستان کے عوام کو ان کے بارے میں صرف اتنا معلوم تھا کہ ان کے پاس برطانوی پاسپورٹ ہے۔ جہاز رانی کی صنعت کے "بڑوں" میں شمار ہوتے ہیں۔ اور ان کی ذاتی جہاز راں کمپنی "گوکل" کے جہازوں کی تعداد ۹۵ ہے اور ایک سو پچیس جہاز ٹھیکے پر حاصل کئے ہوئے ہیں۔ مسٹر گوکل "بڑے محب وطن اور پاکستانی قوم کے درد کا احساس" رکھنے والے ہیں کہ انہوں نے اپنی جہاز راں کمپنی کو بیرون ملک میں رجسٹر کروا رکھا ہے۔ پاکستان میں اس لئے رجسٹریشن نہیں کرایا کہ مبادا حکومت اسے قومی تحویل میں نہ لے لے۔

گوکل خاندان کا نام ۱۹۶۳ء میں پاکستانی اخبارات کی زینت بنا تھا۔ قصہ یہ تھا کہ حکومت عراق نے گوکل نامی ایک تاجر اور جہاز رانی کی صنعت کے ایک "بڑے" کو اسرائیل کا جاسوس ہونے کے الزام میں گرفتار کیا۔ اس گوکل کے پاس پاکستانی پاسپورٹ تھا۔ حکومت عراق نے گوکل کو اسرائیل کا جاسوس ہونے کی وجہ سے گولی مارنے کا فیصلہ کیا۔ اس پر پاکستانی اخبارات میں شور مچا کہ ایک پاکستانی کو موت کے گھاٹ اتارا جا رہا ہے اس وقت پاکستان کے وزیر خارجہ مسٹر ذوالفقار علی بھٹو تھے۔ انہوں نے اس سزا کے خلاف حکومت عراق سے زبردست احتجاج کیا۔ کیوں کہ ایک ایسے شخص کو سزائے موت سنائی گئی تھی جس کے پاس پاکستانی پاسپورٹ تھا۔ بغداد میں مقیم پاکستان کے سفیر (شاہد سجاد حیدر پاکستان کے سفیر تھے) نے مسٹر بھٹو کا احتجاجی مراسلہ عراقی دفتر خارجہ کو بھیجا۔ تو پاکستانی سفیر کو عراق کے دفتر خارجہ میں طلب کر کے انہیں وہ تمام شواہد اور دستاویزات دکھائی گئیں۔ جن سے ثابت ہوتا تھا کہ گوکل اسرائیل کا جاسوس ہے۔ عراق میں اسرائیلی جاسوس کی سزا موت ہے۔ چنانچہ گوکل کو گولی سے اڑا دیا گیا۔ یہ گوکل، پاکستان کے موجودہ مشیر برائے شپنگ اور ایکسپورٹ پروموشن مسٹر مصطفیٰ گوکل کا چچا تھا۔

مصطفیٰ گوکل کو موجودہ منصب کیسے ملا۔ یہ خود اُن کی زبانی سُنیئے۔

"میں لندن میں تھا کہ مجھے پاکستانی سفیر کی معرفت پیغام ملا کہ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل ضیاء الحق مجھ سے ملنا چاہتے ہیں۔ اسی دوران جناب اے۔ کے بروہی سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے کہا کہ میں پاکستان جا کر جنرل صاحب سے ضرور ملاقات کروں، سو میں حاضر ہو گیا۔ جنرل صاحب کے پاس پہنچا۔ تو انہوں نے کہا کہ "تم جہاز رانی کے معاملات میں ملک کی خدمت کرو۔" میں نے عرض کیا کہ مجھے بھلا کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔" مصطفیٰ گوکل کا دعویٰ ہے کہ "میں نے یہ شرط پیش کی کہ میرا اپنا کاروبار ہے۔ اسے چھوڑ دوں گا تو بڑا نقصان ہو گا۔ اس لئے میں مستقلاً لندن رہوں گا۔ البتہ مشاورت کا کوئی معاوضہ نہیں لوں گا۔" چنانچہ انہیں مشیر مقیم لندن مقرر کیا گیا اور ان کا درجہ پاکستان کے سفیر کے مساوی تھا۔ بعد ازاں انہیں پاکستان بلوا کر مشیر مقیم اسلام آباد مقرر کر دیا گیا۔

مسٹر گوکل کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے مشاورت کسی مالی فائدے کے لئے حاصل نہیں کی۔ وہ کوئی مالی فائدہ حاصل کر رہے ہیں یا نہیں۔ اس سلسلے میں ہم فی الحال کچھ کہنے سے قاصر ہیں۔ البتہ اتنا ضرور جانتے ہیں کہ وہ شپنگ انڈسٹری میں نجی شعبے کے لئے کام کر رہے ہیں وہ نیشنلائزیشن کے مخالف ہیں۔ اور بقول اُن کے "ہم جہاز رانی میں ترقی کرنا چاہتے ہیں تو نجی شعبے کی حوصلہ افزائی کرنی ہو گی" نیشنلائزیشن نے شپنگ انڈسٹری میں حالات کو خراب کر دیا ہے۔ اس لئے اس شعبے میں سرمایہ کاری کی حوصلہ افزائی ہونی چاہیئے اور ٹیکسوں وغیرہ میں کچھ چھوٹ دینے کی بھی ضرورت ہو گی، باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ انہوں نے شپنگ انڈسٹری ڈی نیشنلائز کرنے کی سفارش کر دی ہے۔

مصطفیٰ گوکل کا دعویٰ ہے کہ ان کے پاس پاکستانی پاسپورٹ ہے اور وہ پاکستان کے شہری ہیں لیکن یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ ایسے پاکستانی ہیں جس کے مفادات پاکستان کی دھرتی سے نہیں بلکہ سمندر پار ممالک سے وابستہ ہیں۔ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے مشیر بننے کے بعد وہ پاکستان کی ترجمانی کرنے لگے ہیں۔ یہ ایسا ہی ہے کہ جیسے ایک فلسطینی پروفیسر جو امریکن یونیورسٹی میں پڑھاتا ہو، مسئلہ فلسطین پر تنظیم آزادیٔ فلسطین اور یاسر عرفات کی ترجمانی کرے۔ سوال یہ ہے کہ فلسطینی پروفیسر جس کے اقتصادی مفادات امریکہ سے وابستہ ہیں، کس طرح فلسطینیوں کے حقیقی موقف کی ترجمانی کر سکتا ہے۔ وہ لازمی طور پر پی ایل او کی نہیں بلکہ اپنے آقائے ولی نعمت کے موقف سے اتفاق کرے گا۔

عالمی تبصرے

پی پی پی کے گرفتار کارکنوں کی تعداد ایک لاکھ بتائی جاتی ہے

فار ایسٹرن اکنامک ریویو

وزیراعظم پاکستان کی حیثیت سے مسٹر بھٹو کی آخری تصویر ۴ر جولائی ۱۹۷۷ء کی رات کو ایوان وزیراعظم میں پریس کانفرنس سے خطاب کر رہے ہیں

پولیس اور فوج کی بھاری گشت کے باوجود کراچی سے پشاور تک مظاہرے ہوتے

پورے ایک سال میں سیاسی پہیئے نے ایک چکر پورا کر لیا ہے۔ مقدمے کے عدلی پہلو سے قطع نظر ملکی قانون کے تحت فیصلے پر کسی تبصرے کی اجازت نہیں ہے۔ ۱۸ر مارچ کو مسٹر ذوالفقار علی بھٹو سابق وزیراعظم کو سنائی جانے والی سزائے موت واقعات کے اس تسلسل کا منطقی نتیجہ ہے جسکی ابتدا مارچ ۱۹۷۷ء میں پاکستان قومی اتحاد (پی این اے) کے منظم کردہ احتجاج سے ہوئی تھی۔

بھٹو سے کس بہتر طریقے سے نمٹا جائے" اس مخمصے کا کوئی صاف ستھرا حل ممکن نظر نہیں آتا۔ معزول وزیراعظم کی سزائے موت کو کافی عرصے سے فوجی حکومت کے مطلوبہ نتائج اور ناخوشگوار حقائق میں ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوششوں کا ایک لازمی جزو سمجھا جاتا رہا ہے۔ سزائے موت پر عملدرآمد ہوتا ہے یا نہیں۔ اس سے قطع نظر سزائے موت فی نفسہ پاکستان کی ۳۰ سالہ شورش زدہ تاریخ میں ایک نئے باب کی ابتدا کرتی ہے۔

لاہور ہائی کورٹ نے فیصلہ کیا کہ بھٹو اور اب ختم شدہ فیڈرل سیکورٹی فورس کے چار اراکین نے ۱۹۷۴ء میں بھٹو کے ایک ممتاز مخالف پر مشین گن سے حملہ منظم کیا۔ سیاستدان احمد رضا قصوری بچ گئے لیکن ان کے والد نواب محمد احمد خاں ہلاک ہوگئے۔

مقدمے کی سماعت فروری میں مکمل ہوگئی۔ اس کے بعد دو اور مقدمات؛ ایک جس میں بھٹو کی مارشل لاء ضابطے کے تحت نظر بندی کو چیلنج کیا گیا ہے دوسرا جس میں ان پر بدعنوانی کا الزام لگایا گیا ہے کی سماعت شروع ہوئی۔ اس کے ساتھ ساتھ بھٹو نے زیادہ سخت رویہ اختیار کیا۔ تمام

سیاسی مباحثوں پر نجی چہاردیواری کے اندر تک پر بھی، پابندی لگادی۔ بھٹو کی بیٹی بے نظیر کو ضلع کراچی تک محدود کردیا جس کے نتیجے میں پاکستان پیپلز پارٹی (پی پی پی) کی مرکزی مجلس عاملہ کا یکم مارچ کا مقررہ اجلاس منعقد نہ ہوسکا۔

اجلاس میں بے نظیر بھٹو یا سابق سربراہ افواج و وزیر دفاع جنرل ٹکا خان کو اس امکان کے پیش نظر کہ پارٹی کی چیئرمین بیگم نصرت بھٹو کو سیاسی زندگی میں حصّہ لینے پر پابندی لگ جاتے لگی، پارٹی کا صدر اور سیکرٹری نامزد کیا جانا تھا۔

ابتدا میں پی پی پی کے رہنماؤں کو یقین تھا کہ پہلے سے محدود سیاسی سرگرمیوں پر مکمل پابندی کی وجہ پارٹی کے سیکرٹری اطلاعات کی جنتا سے تعاون کی فضا پیدا کرنے میں ناکامی ہے۔ (نیازی کو ۲۸ر فروری کو پی پی پی سے خارج کردیا گیا تھا۔ جس کی خبر کو تمام اخبارات کے بعد کے ایڈیشنوں سے نکال دیا گیا تھا) ۲۸ر فروری مارشل لاء آرڈر کی وہ آخری خارجی حد تھی جو جنرل ٹکا خاں کو سیاست میں حصہ لینے سے روکتی تھی۔

بعد کے واقعات نے بہرحال ثابت کیا کہ یہ خصوصی اقدامات سزائے موت کی تیاری کے لیے تھے۔ یکم مارچ اور ۱۸ مارچ کے درمیان تقریباً تمام ورکرز جن میں سب سے نچلی سطح کے کارکن بھی شامل تھے گرفتار کرلیے گئے۔ اور ملک کی تاریخ میں پہلی بار سیاسی وجوہ کی بنا پر عورتوں کو جیلوں میں ڈالا گیا۔ ایک واقعے میں تو ایک ماں کو اس کے ۴ ماہ کے بچے کے ساتھ جیل بھیجا گیا۔

نظر بندی کے چند احکامات میں۔ وجہ یہ بتائی گئی "چونکہ اس بات کا امکان ہے کہ بھٹو مقدمے کے فیصلے کے اعلان پر آپ ہنگامہ کھڑا کریں گے۔۔۔"۔ تمام سرکاری عمارتوں اور بنکوں پر خاص طور پر تربیت دیئے گئے گارڈز کا پہرہ لگایا گیا (سرکاری دفتروں اور بینکوں) کو مشورہ دیا گیا تھا کہ "خود اپنے مفاد میں" وہ خصوصی حفاظتی انتظامات کریں۔ ان مقامات پر فوجی سپاہیوں کو سادہ لباس میں تعینات کیا گیا تھا۔

پہلی بار اسٹین گنوں سے مسلح ملٹری پولیس کو گلیوں میں دیکھا گیا۔ راولپنڈی میں فوج بکتر بند گاڑیوں میں گشت کرتی رہی۔ بھٹو کے اپنے صوبے سندھ میں مشین گنیں لگے ٹرکوں میں فوج کا شدید گشت شروع کیا گیا۔ پی پی پی نے گرفتاریوں کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ بتائی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ بڑھا چڑھا کر بیان کر رہے ہوں۔

فوجی ٹربیونل

فیصلے سے ایک ہفتہ پہلے بھٹو کی اہلیہ نے اپنے ہموطنوں اور عالمی برادری سے اپیل کی کہ حکومت کو بھٹو کو تیزی سے سزائے موت دینے کے لیے مقدّمے کو ہائی کورٹ سے فوجی ٹربیونل میں منتقل کرنے سے روکیں۔

یہ اپیل پی پی پی کے حامی لاہور کے اخبار "مساوات" کے ایک خصوصی ضمیمے میں شائع ہوتی۔ مگر اس کا باقاعدہ ایڈیشن، اس کے دفتر پر رات کے چھاپے کے بعد، ایک خالی جگہ کے ساتھ شائع ہوا۔ اگلے دن اس کے دو مدیران اعلیٰ اور ناشر کو گرفتار کرلیا گیا۔ اور انہیں ایک سال کی قید بامشقت، زمین پر سونا اور دن کو سخت محنت کرنے کی سزا دے دی گئی۔ راولپنڈی کے روزنامے تعمیر کا ایڈیٹر روپوش ہوگیا۔ اس نے بھی یہ خبر شائع کی تھی۔

بھٹو کی موت کا منطقی نتیجہ سیاسی نظام میں بنیادی تبدیلی ہوگا

لاہور میں تین دن تک حفاظتی مشقیں کی گئی تھیں تاکہ یہ اطمینان کرلیا جائے کہ فیصلے کے وقت امن وامان برقرار رکھا جاسکے گا۔ یہ مسلح افراد کی آخری تعیناتی ہوتی تھی کیونکہ پہلے ہی یہ حکم جاری کردیا گیا تھا کہ بھٹو کے خلاف بدعنوانی کے الزامات کے تحت مقدمے کی سماعت جیل میں ہوگی۔ حالانکہ مقدمے کے دوران بڑے پیمانے پر فوجیوں کی تعیناتی نے یہ اندازہ قائم کروادیا تھا کہ بھٹو کو سزائے موت ہوگی۔ پھر بھی فیصلے نے سکتے کی کیفیت پیدا کردی۔ پی پی پی کے مخالف چند حلقوں میں خوشیاں منائی گئیں۔

چیف جسٹس نے اعلان کیا کہ استغاثے نے اپنا مقدمہ "دستے" تک ثابت کردیا ہے۔ اور یہ پانچوں جج متفق الرائے تھے۔ انہوں نے بھٹو کو عادی جھوٹا قرار دیا اور کہا کہ انہوں نے عدالت پر بہتان لگانے اور اسے خوفزدہ کرنے کی کوشش کی اور اس کی غیر جانبداری پر فقرہ کسے۔

عدالت نے بھٹو کے وکیل کی بھی "اپنے موکل سے گٹھ جوڑ کرنے" پر خبر لی اور ان پر "عدالت کے سامنے سرکشی اور اسے دھمکانے" کا الزام عائد کیا۔ ۱۴۴ صفحات پر مشتمل فیصلے میں بھٹو کو مجرم قرار دینے کے علاوہ ان کے غیر اسلامی رویّے کی مذمت بھی کی اور کہا کہ "دستوری تصریحات یہ پہلے ہی فرض کرلیتی ہیں کہ اس سے پہلے کہ کوئی فرد وفاق کے حاکم اعلیٰ کے عہدے کے لیے انتخاب لڑنے کی کوشش کرتا ہے وہ خود اپنی زندگی کو قرآن مقدس اور سنت (رسول اکرمؐ کی روایات) کے احکام اور تعلیمات کے مطابق ڈھالے گا۔"

یہ بحث کرتے ہوئے کہ وزیراعظم کو صرف برائے نام ہی مسلمان نہیں بلکہ ایک باعمل اعتقاد رکھنے والا ہونا چاہیئے جو "دستور اور قانون کو اپنے لامحدود اختیارات اس کی خود نمائی کی لغو خواہشات کی تکمیل اور اپنی حکومت کی توسیع کا منبع نہ سمجھتا ہو"۔ یہ مزید کہا گیا کہ "ایسا فرد جو دستور اور قانون کو اپنی پالیسی کی خادمہ تصوّر کرتا ہو۔ وزیراعظم کے اعلیٰ عہدے پر انتخاب کے لیے اہل نہیں ہے"۔

فیصلہ دیتے ہوئے چیف جسٹس نے حکم دیا کہ بھٹو کو زیر سماعت قیدی کی حیثیت سے جو مراعات دی گئی تھیں فی الفور واپس لی جائیں اور یہ کہ ان کے ساتھ وہی برتاؤ کیا جائے جو دوسرے سزایافتہ قیدیوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ نتیجتہً اخبارات اور ریڈیو تک ان کی پہنچ ختم ہوگئی۔ گھر سے کھانا منگوانے کی اجازت منسوخ ہوگئی۔ اور انہیں ۵ فٹ × ۱۱ فٹ پیمائش والی پھانسی کی کال کوٹھڑی میں منتقل کردیا گیا۔ بیت الخلاء کی جگہ سے آگے نکل گئے اور سونے کے لیے ایک چارپائی کی اجازت دے دی۔ مزید کوئی تبدیلی نہیں ہوئی کیونکہ مقدمے کی سماعت کے دوران بھی انہیں دوسرے قیدیوں کے برخلاف قید تنہائی میں رکھا گیا تھا۔

قانون کے تحت بھٹو کو اجازت دی گئی تھی کہ وہ ۲۵ر مارچ کو ختم ہونے والے، دن کے اندر سپریم کورٹ میں اپیل کرسکتے ہیں۔ ان کے وکیل سابق اٹارنی جنرل یحییٰ بختیار کے مطابق مسٹر بھٹو اور ان کا خاندان ایسی کسی تحریک کے خلاف ہیں۔ جس وقت فیصلے کا اعلان کیا گیا اس وقت ایک مختصر ملاقات میں یحییٰ بختیار نے اپیل دائر کرنے کی اجازت طلب کی۔ بھٹو نے کہا کہ وہ اس پر غور کریں گے اور انہیں سہ پہر میں آنے کے لیے کہا۔ اگلے دن بختیار نے کہا کہ جیلروں نے انہیں بھٹو سے ملاقات کی اجازت دینے سے انکار کردیا اور کہا کہ ایک ہفتے میں

اجازت دی جائے گی۔

احتجاج

جس وقت یہ سطور لکھی جا رہی ہیں۔ فیصلے کے خلاف کوئی اپیل دائر نہیں ہوئی ــــ پھر بھی دوسرے ملزمان میں سے (جن سب کو سزائے موت دی گئی تھی) کوئی بھی اپیل کر سکتا ہے۔ ایسی صورت میں سپریم کورٹ چند حدود کے اندر مقدمے پر نظر ثانی کرے گا۔ اور ہو سکتا ہے کہ بھٹو کو پھانسی نہ دی جائے۔ اتنی گرفتاریوں کے باوجود جس کی اس سے پہلے کوئی مثال نہیں ملتی اور فوج اور پولیس کے بھاری گشت کے باوجود سزا کے اعلان کے بعد کراچی سے پشاور تک احتجاجی مظاہرے پھوٹ پڑے۔ ابھی تک وسیع پیمانے پر مظاہرے نہیں ہوئے اگرچہ بسوں پر پتھراؤ ہوا۔ انہیں نذر آتش بھی کیا گیا۔ ۱۸ مارچ کی شام کو سابق رکن اسمبلی اور پیپلز پارٹی کے دیگر رہنماؤں نے راولپنڈی میں مظاہرے میں شرکت کی۔ اسے گرفتار کر لیا گیا۔ اور اسی رات اسے ایک سال قید سخت اور پانچ کوڑوں کی سزا سنا دی گئی۔ اگلے دن اسے کوڑے مارے گئے۔ اسے اور اسی نوعیت کی سزا پانے والے دیگر افراد کو جیل کے ہسپتال میں منتقل کر دیا گیا۔

سابق وفاقی وزیر زراعت اور پی پی کے نائب صدر شیخ محمد رشید کو بھی پولیس تلاش کر رہی ہے۔ جنتا کے سربراہ اعلیٰ جنرل ضیاء الحق کے پیشرو ٹکا خان نے ۲۰ مارچ کو لاہور میں ایک بڑے جلوس کی قیادت کی۔ انہیں فوج نے حراست میں لے لیا۔ اور جنتا کے لیے ایک ممکنہ سیاسی الجھاؤ پیدا کر دیا۔

۱۶ اور ۱۸ مارچ کو پی پی کے علاوہ سیاسی جماعتوں اصغر خان کی تحریک استقلال، ولی خان کی این ڈی پی، مولانا نورانی کی جے یو پی اور پی این اے کی بقیہ جماعتوں سے جنتا کی ملاقات کے دوران انہوں نے جنتا سے پیشگوئی کی کہ کوئی ہنگامہ نہیں ہو گا اور یہ کہ کسی بھی صورت میں حکومت کے پاس کسی بھی صورتحال سے نمٹنے کی طاقت ہے۔

لیکن حکومت کے لیے تین محاذوں پر مسائل کے ساتھ ہنگامہ شروع ہو چکا ہے۔ تاروں کی بھرمار ہے اور مختلف حکومتیں جنرل ضیاء سے بھٹو کو پھانسی نہ دینے کا مطالبہ کر رہی ہیں۔ ترکی وزیر اعظم بلند اجویت، کویت اور متحدہ عرب امارات کے سربراہوں شیخ سالم اور شیخ ضیا جنوبی یمن کے صدر، لیبیا کے صدر معمر قذافی، تنظیم آزادی فلسطین کے سربراہ یاسر عرفات اور ایمنسٹی انٹرنیشنل کے بھی پیغامات موصول ہو چکے ہیں۔

دوسرا محاذ، مظاہرے ہیں۔ جن میں شدت اور وسعت پیدا ہوتی معلوم ہو رہی ہے۔ لاہور کے علاوہ جہاں ۲۰ مارچ کو فسادات ہوئے۔ حیدرآباد، جہلم لاڑکانہ، دادو، جیکب آباد اور چند دوسرے شہروں سے بھی اسی دن چھوٹے پیمانے پر تشدد کے واقعات کی اطلاع ملی۔

تیسرا اور سب سے زیادہ خطرناک معاملہ ریلوے تخریب کاری ہے۔ لاہور، اسلام آباد جیسی مصروف ریلوے لائن کو بھی ۲۰ مارچ کو دو مقامات پر نقصان پہنچا۔ جب تک دہشت گردی کو روکا نہیں جاتا اس وقت تک ہزاروں میل لمبی ریلوے لائن اور دوسری تنصیبات کے تحفظ کا کوئی طریقہ نہیں ہے۔ صورتحال خراب مگر قابو میں ہے۔ اور یہ یقین بڑھتا جا رہا ہے کہ بھٹو کو پھانسی دے دی جائے گی۔ بھٹو کو پھانسی دینے کی حمایت پی پی کے چند حریفوں کی طرف سے کی جا رہی ہے لیکن مبصرین کی اکثریت حکمرانوں کو اس صلاحیت کا حامل نہیں سمجھتی کہ وہ اس اقدام کے تباہ کن نتائج کا اندازہ لگا سکیں۔ جو سیاسی پیش منظر کو بالکل ہی بدل دے گا۔ اعلیٰ سیاسی شعور رکھنے والے ایک رائے دہندہ نے ایک سخت بات کو نرم الفاظ میں یوں بیان کیا کہ جنتا کا مسئلہ بھٹو نہیں بھٹو ازم ہے۔ بھٹو ایک داستان بن چکے ہیں اور داستان کو پھانسی پر لٹکا کر مارا نہیں جا سکتا۔

اس لیے بھٹو کی موت کا منطقی نتیجہ سیاسی نظام میں بنیادی تبدیلی ہو گا تاکہ اس بات کو یقینی بنایا جائے کہ یا تو عوام کو غیر سیاسی بنایا جا سکے یا کوئی ایسا پاسنگ متعارف کرایا جائے جو عوام کے رائے دہندگی کے وزن کو برابر کر سکے۔ چند دن پہلے تک جن لوگوں کو بھٹو کی موت کا مطالبہ کرنے پر پاگل حاشیہ بردار تصور کیا جا رہا تھا وہ "غیر جماعتی جمہوریت" کے حق میں دلائل دیتے رہے ہیں۔

▨

سعودی عرب، متحدہ عرب امارات اور ایران حالات کی تبدیلی سے ناخوش ہیں

ایشیا ویک

جنرل ضیا مسلم ممالک کو نظر انداز نہیں کریں گے

•

سارا وقت ان کے وکلاء خوشدلانہ اعتماد اور ایک مناسب تاریخی فہم جھلکاتے رہے جب ۱۹۴۸ء میں مہاتما گاندھی کو قتل کیا گیا، سابق ایڈمرل جنرل یحییٰ بختیار کو سوال کرنے والوں سے یہ کہنے کا شوق تھا، صرف اس شخص کو سزائے موت دی گئی جس نے لبلبی دبائی تھی۔ دوسرے سازشیوں کو قید کی سزا دی گئی۔ وکیل یقیناً یہ تسلیم کرنا نہیں چاہتے تھے کہ ان کے موکل نے سازش میں حصہ لیا۔ ان کا نکتہ یہ تھا، یا وہ ایسا سمجھتے تھے، صرف "گاندھی نظیر" ہی قانوناً ان کے آدمی کو سزائے موت سے بچانے کے لئے کافی ہے۔

لاہور ہائی کورٹ کے سماعت کرنے والے سارے ججوں نے پچھلے ہفتے کچھ اور ہی سوچا۔ ۳۱ سال پہلے قیام پاکستان کے بعد سے سب سے زیادہ سنسنی خیز، سیاسی۔ قانونی مقدمے میں، عدالت نے مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کو اپنے ایک مخالف کے قتل کا حکم دینے کا مجرم پایا۔ سابق وزیر اعظم کو ان کی پچاسویں سالگرہ کے تین ماہ بعد پھانسی کے ذریعے موت کی سزا سنا دی گئی۔ دوسرے پانچ کو بھی جو سب کے سب دہشتناک نیم فوجی سیکیورٹی فورس کے لیڈر، ان کے ساتھ ساتھ سزائے موت دی گئی ہے فورس کے ڈائریکٹر مسعود محمود کو بری کر دیا گیا، وہ سلطانی

بھٹو زندہ شہید بن گیا ہے، وہ آج بھی پاکستان کی سب سے بڑی قوت ہیں

گواہ بن گئے تھے اور انہوں نے ہی زیادہ تر وہ شہادت فراہم کی جس کی بنا پر سزا دی گئی ہے۔

سیشن کورٹ کی طرف سے دی جانے والی سزائے موت کی طرح لاہور ٹریبونل کے فیصلے کی کسی اعلیٰ عدالت کو توثیق نہیں کرنی ہے۔ مگر ججوں نے بھٹو کو اپیل کرنے کے لئے ایک ہفتہ دیا۔ اگر سزا میں تخفیف ہو جائے یا سابق وزیر اعظم کو معاف کر دیا جائے تو بھی کئی سزاؤں کا اطلاق ہو جائے گا۔ مجموعی طور پر ۱۲ سال قید اور ۲۵۰۰۰ (۵۰۰ ر۲) امریکی ڈالر جو مقتول نواب محمد احمد خاں کے وارثوں کو دیا جائے گا (قاتل کا اصل نشانہ ان کا بیٹا احمد قصوری تھا جو بھٹو کی قائم کردہ پاکستان پیپلز پارٹی کا بھگوڑا تھا چار سال قبل ان کی کار پر رات کے وقت چھپ کر مشین گن سے گولیاں برسائی گئی تھیں لیکن قصوری بچ گیا)

اگر کئی مبصرین کو سزا بہت سخت لگی تو مقدمے کی کارروائی کے دوران بھٹو کا اپنا رویہ قانون کے پیشے سے ہمدردی حاصل کرنے والا رویہ نہیں تھا۔

۰۰ام صفحے کے فیصلے میں سابق وزیر اعظم کی طرف سے لگائے جانے والے "عدالت کے خلاف بار بار جھوٹے اور گندے الزامات" کا حوالہ دیا گیا ہے۔ عدالت اسی رائے کے اظہار کی حد تک گئی۔ "کسی سرکش فریق سے نمٹنے کے لئے ہمارے قانون میں سقم ہے" اور یہ کہ وقت آ گیا ہے کہ اس سقم کو دور کرنے کے لئے قانون بنایا جائے۔"

بھٹو کے عدالت کی شہرت کو داغدار کرنے سے جج اتنے فکرمند تھے کہ پہلے تو مقدمہ بند کمرے میں چلایا گیا، فیصلہ بھی بند کمرے میں سنایا گیا، اس طرح بھٹو کے فوری ردِ عمل کا بھی عوام کو پتہ نہیں چلا۔

بہرحال جلد ہی واقعات رونما ہونے لگے جن کا موڈ یقیناً غیر عدالتی تھا۔ فیصلے کے بعد ملک میں دو دن تک ایک بے چین سا سکون رہا۔ سیاسی حلقے نے اسے کسی حد تک صدمے کی لہر قرار دیا جو پاکستان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ کسی صفِ اوّل کے سیاسی قائد کو ملنے والی سزائے موت سے پھیلی اور کچھ فوج کے اس غیر معمولی "بندوبست" کو جو حکام نے کیا تھا۔

گڑبڑ شروع ہونے میں دیر نہ لگی۔ وسط ہفتہ تک شور مچاتے مجمعے نے لاہور میں چھ گاڑیوں کو آگ لگا دی اور کئی شہروں میں پُر شور مظاہرے ہوئے۔ بھٹو کے اپنے صوبے سندھ میں طلبا نے ہڑتال کی ملک میں بڑھتی ہوئی کشیدگی کے درمیان یقین کیا جاتا ہے کہ کوئی دو ہزار افراد گرفتار کئے گئے۔

ایسا لگتا ہے کہ فوج کی تمام تر احتیاطی تدابیر کے باوجود تشدد کے واقعات پر کسی کو تعجب نہیں ہوا۔ یہ بات شروع ہی سے ظاہر تھی کہ اپنے لیڈر کی رہائی تو ایک طرف رہی اگر پی پی پی اپنا وجود برقرار رکھنا چاہتی ہے تو اسے حکومت کے مقابلے پر آنا پڑے گا۔ بالآخر بھٹو کے حمایتیوں نے مارشل لا حکام کا سامنا کرنے کے لئے ایک ممتاز فوجی، برّی فوج کے سابق سربراہ سابق وزیر دفاع اور مسٹر مردِ آہن ٹکا خاں کو لے آئے۔

جنرل ٹکا خان کو ابھی تک ایک ایسے شخص کی حیثیت سے یاد کیا جاتا ہے جس نے بلوچستان میں باغیوں پر سختی کے ساتھ قابو پایا اور پھر بنگلہ دیش میں بھی اسی کو دہرانے کی کوشش کی۔ پاکستان کے ٹوٹنے اور اس کے نتیجے میں بھٹو کے برسرِ اقتدار آنے کے بعد ان کا جگری یار بن گیا۔ انہوں نے ٹکا خان کو نہ صرف امورِ دفاع کی وزارت سونپی بلکہ پی پی پی کے سیکرٹری جنرل کے عہدے کے لئے نامزد کیا۔ اس ہفتے ٹکا خان باہر نکلے اور لاہور میں مظاہرین کی قیادت کی، اور فوراً گرفتار کر لئے گئے۔

جب کہ چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر جنرل ضیا الحق کی حکومت تشدّد کو قابو میں رکھنے کے بارے میں اب بھی پُر اعتماد تھی۔ یہ بات نمایاں ہوتی جا رہی تھی کہ وہ بیرونِ ملک سے ناموافق ردِ عمل کی بارش سے پریشان ہو رہی ہے۔ غیر ممالک میں مقیم پاکستانیوں کی طرف سے فیصلے کی مذمّت کئے جانے کی ابتدائی اطلاعات نے ضیا حکومت کو پریشان نہیں کیا۔ اس کے بعد بنگلہ دیش کے سیاسی رہنماؤں نے کھلے بندوں یہ تجویز پیش کی کہ پھانسی کے پھندے میں پھنسے بھٹو کو بچانے کے لئے اقوامِ متحدہ مداخلت کرے۔

اگر اس نے اسلام آباد کو پریشانی میں ڈالا تو اسی طرح اور تجویزیں آنے والی تھیں۔ چند ہندوستانی سیاستدان جن کے بھٹو سے پیار کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی، نے برسرِ عام اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور اس تجویز کی حمایت کی کہ عالمی طاقتیں بھٹو کی طرف سے مداخلت کریں۔ سب سے زیادہ بھاری بھرکم اپیلیں مسلم ممالک کی طرف سے ہوئیں۔ ترک وزیر اعظم بلند اجیوت نے بھٹو کو بچانے کے لئے "مہربانانہ طرزِ عمل" کا تقاضہ کیا۔ لیبیا کے کرنل "دلیرانہ معمر قذافی" نے مخصوص انداز میں کہا۔ اس بات کو ذہن میں رکھتے ہوئے کہ چار سال قبل لاہور میں اسلامی سربراہ کانفرنس کے چیئرمین بھٹو تھے۔ قذافی نے کہا کہ سزائے موت سیاسی اور سماجی طور پر ناجائز ہے۔

ردِ عمل کی اسلامی تہہ داری کے، کچھ اور نہیں تو بھٹو کو سولی سے دور رکھنے کی توقع ہے۔ چند مسلم ممالک جن کے جنرل ضیا ممنون ہیں سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، ایران حالات کی تبدیلی سے ناخوش ہیں اور اس بات کا امکان نہیں کہ ضیا انہیں نظر انداز کر دیں۔ مثلاً متحدہ عرب امارات نے پچھلے ہفتے ضیا کو ایک پیغام بھیجا جس میں سزائے موت ہٹانا تجویز کیا۔ لیکن اس وقت بھی جب کہ پیغامات کی بارش ہو رہی تھی، لاہور میں ان تین آدمیوں کو پھانسی دینے کی تیاریاں ہو رہی تھیں جنہیں ایک بچے کو اغوا اور قتل کرنے پر سزائے موت دی گئی تھی۔ یہ پاکستان میں سرِ عام دی جانے والی پہلی پھانسی ہے اور وقت کے اعتبار سے یہ شدید قسم کا سیاسی پیغام محسوس ہوتا ہے۔

واضح طور پر، حکومت کو اس حقیقت کا سامنا ہے کہ فیصلے کے براہِ راست نتیجے اور اثرات کی صورت میں بقول کراچی کے ایک پی پی لیڈر کے بھٹو پہلے ہی "دس فٹ لمبا ہو گیا ہے" ایک ہفتے کے عرصے میں وہ ایک زندہ شہید بن گیا، یہ ایسی بات ہے جو ضیا سب سے کم چاہتے ہیں۔ بھٹو شہید کے خدوخال اُبھرتے ہی جائیں گے چاہے معافی مل جائے، جیل میں رکھا جائے یا بالکل ہی نظر انداز کر دیا جائے۔ لاہور کے قریب نواحی جیل میں ذوالفقار علی بھٹو کے لئے اس ہفتے یہ نتیجہ نکالنے کی معقول وجہ موجود ہے کہ سزا ہو یا نہ ہو وہ اب بھی پاکستان کی سب سے بڑی سیاسی طاقت ہیں۔

سنہ ۱۹۷۸ء سزائے موت کی مخالفت کا سال ہے!

بھٹو کی وکالت میں کتنی آوازیں بلند ہونگیں

دی اکانومسٹ

ایک سال قبل عام انتخابات کے فوری بعد جس میں پاکستان پیپلز پارٹی نے زبردست کامیابی حاصل کی مسٹر ذوالفقار علی بھٹو اس وقت تک اپنے اقتدار کے عروج پر محسوس ہوتے تھے۔ شائستہ، پرکشش اور قابل۔ وہ اپنے حریفوں پر چھائے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ لیکن جولائی میں ایک فوجی بغاوت نے انہیں وزارت عظمیٰ سے محروم کر دیا۔ ستمبر میں انہیں ایک قتل کی تحقیقات کے سلسلے میں حراست میں لے لیا گیا اور ۱۸ مارچ کو انہیں سنہ ۱۹۷۴ء میں اپنے ایک سیاسی حریف کے قتل کی سازش میں حصہ لینے کا مجرم پائے جانے کے بعد سزائے موت سنا دی گئی۔ سزا کے بعد وہ لاہور کے قریب کوٹ لکھپت جیل میں پھانسی کی ایک کال کوٹھری میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ ہر رات انہیں زنجیر کے ذریعہ پلنگ سے باندھا جاتا ہے۔ ریڈیو اور اخبارات سے محروم، جیل کی خوراک کھاتے ہوئے اور شاید ان جیسے رتبے کے آدمی کے لیے آخری ذلت یعنی جیل کی شلوار اور قمیص پہنے ہوئے۔

(دو پیراگرافوں میں عدالت کے بارے میں ایسی باتیں جنہیں ہم قانون کے تحت شائع نہیں کر سکتے۔ حذف کر دی گئی ہیں)

مقدمہ اب بھی سپریم کورٹ میں جا سکتا ہے اگر مسٹر بھٹو اپیل کرنے کا فیصلہ کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا ہے کہ شاید وہ نہ کریں لیکن ان کے وکیلوں نے انہیں اپیل کرنے پر آمادہ کرنے کی کوشش کی ہے اور شاید ان کا خاندان بھی کوشش کرے گا۔ اور چند قانونی آرا یہ ہیں کہ اگر دوسرے چار مدعا علیہان میں کوئی اپیل دائر کرتا ہے — (اور ان میں سے ایک مسٹر میاں عباس ضرور کریں گے) تب مقدمہ کسی بھی صورت میں سپریم کورٹ میں جائے گا۔ ایسی صورت میں اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ قطعی قانونی وجوہات کی بہ نسبت انہی سیاسی وجوہات کی بنیاد پر آخری فیصلہ ان کے خلاف ہو گا۔ تب بھی مسٹر بھٹو کو پھانسی کا التوا مل جائے گا۔ اس لیے یہ ناگزیر معلوم ہوتا ہے کہ (اگر اپیل نہ ہو) ایک ہفتے کے اندر (اگر اپیل ہو) تو چھ ہفتے کے اندر بھٹو کو پھانسی کے ذریعے موت کا سامنا ہے۔ کیونکہ قانونی چارہ جوئی سے بچنے کا دروازہ سختی کے ساتھ بند ہو جائے گا۔ ان کے لیے حقیقی موقعہ سزائے موت کی صدارتی معافی ہی معلوم ہو گا۔ کیا یہ معافی دی جائے گی۔ دی جا سکتی ہے؟

اس کا دار و مدار دو بنیادی عوامل پر ہے۔ پہلا سزائے موت کے فیصلے پر پاکستان کے اندر ردعمل کی قوت ہے۔ دوسرا ان ممالک کی طرف سے ممکنہ دباؤ ہے جن کی رائے کو اہمیت دینا پاکستان کے لیے ضروری ہے۔

دوسرا شاید جنرل ضیاء الحق کو بحیثیت چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر ایف اے چوہدری کو بحیثیت صدر معافی کے اختیار کو استعمال کرنے کے بارے میں مدد دینے میں زیادہ اہم ہو گا۔

"تاحال عوامی ردعمل اگر گھٹا کر بھی بیان کیا جائے تو گونگا رہا ہے۔ پیر کے دن لاہور میں چند بسوں اور کاروں کو آگ لگائی گئی۔ حیدرآباد میں چند کالجوں کو کچھ عرصے کے لیے بند کرنا پڑا۔ کچھ اینٹ کے ٹکڑوں اور گیس کے بموں کا تبادلہ ہوا ہے۔ ریلوے لائن پر چند فش پلیٹیں اکھاڑ دی گئیں (شکر ہے کہ کوئی خاص نتیجہ نہیں نکلا) اور چند نہروں کے کناروں میں عمداً شگاف ڈالے گئے۔ لیکن ابھی کوئی منظم احتجاج نظر نہیں آتا۔ فوج نے پیپلز پارٹی کے کم از کم ایک ہزار ممتاز رہنماؤں کو نظر بند کر دیا ہے۔ مظاہرہ کرنے والے جن چند لوگوں کو پکڑا گیا انہیں قید اور کوڑوں کی بھاری خوراک دی گئی ہے۔ (ایک شخص کو شام ۷ بجے گرفتار کیا گیا۔ علی الصبح تین بجے ایک فوجی عدالت میں اس پر مقدمہ چلا۔ صبح ۷ بجے دس کوڑے لگائے گئے۔ اور فوری طور پر ایک سال کی سزا کاٹنے کے لیے جیل بھیج دیا گیا)۔

عالمی برادری سے نمٹنا اتنا آسان نہیں ہو گا جیسا کہ احتجاج کرتے ہوئے نشاندہی کی گئی ہے۔ بہرحال یہ سال سزائے موت کے خلاف سال ہے۔ ترکی، لیبیا، متحدہ عرب امارات اور جنوبی یمن نے پیغامات بھیجے ہیں۔ جن میں پاکستان کے مسلمان بھائیوں سے رحمدلی کے مظاہرے پر زور دیا گیا ہے۔ لیکن پاکستان کے قریبی دوست کیا کہیں گے؟ ان ممالک کے حکمرانوں سے بھٹو کی پرانی دوستی کے علاوہ چند دوسرے تعلقات بھی ہیں (ان کی بیوی کا تعلق ایران سے ہے) یہاں یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اگر وہ بولتے ہیں تو مسٹر بھٹو کی جان بچ سکتی ہے۔

ریکارڈ پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اس سے پہلے کسی وزیراعظم کو جو ایک منتخب حکومت کا سربراہ رہا ہو کسی اخلاقی جرم میں مقدمہ چلا کر سزائے موت دی گئی ہو۔ سوائے ترکی کے عدنان مندریس کے جنہیں ۱۸ سال قبل سزائے موت دی گئی۔ مسٹر بھٹو کو سزائے موت دینے سے اگر کہیں اور نہیں تو دنیا کے اس خطے میں سیاست کاری کے سلسلے میں ایک دہشتناک مثال قائم ہو گی۔ یہ واحد عنصر بھی مسٹر بھٹو کی جان بچا سکتا ہے۔

بھٹو پر ملک توڑنے کے الزام میں مقدمہ

فوجی عدالت میں چلایا جائے گا

باخبر حلقوں کے مطابق سابق وزیر اعظم مسٹر بھٹو پر ملک توڑنے کے الزام میں ایک دوسرا مقدمہ چلانے کی تیاری کی جا رہی ہے۔ اس ضمن میں متعلقہ ریکارڈ اور مواد تیزی سے جمع کیا جا رہا ہے۔ یہ مقدمہ عام عدالت میں چلانے کی بجائے فوجی عدالت میں چلایا جائے گا۔ فوجی حکام کا خیال ہے عدالتی کارروائی کے دوران ایسے ملکی اور دفاعی اہمیت کے امور زیر بحث آئیں گے جن کی عام عدالتوں میں سماعت اور تشہیر ملک کی سلامتی کے منافی ہو گی۔

اس بات کا انکشاف نتحو دسیل کے چیئرمین لفٹیننٹ جنرل فیض علی چشتی سے قومی اتحاد کے رہنماؤں کی ملاقات کے دوران ہوا۔ معلوم ہوا ہے کہ ان رہنماؤں نے جنرل چشتی کے موقف کی تائید کرتے ہوئے کہا کہ "ملک توڑنے کا جرم اس قدر سنگین ہے کہ اس میں کسی قسم کی رعایت سے ملک کے مفاد کو نقصان پہنچ سکتا ہے" انہی حلقوں کے مطابق اس الزام کے تحت مسٹر بھٹو کے ساتھ پیپلز پارٹی کے بعض اہم رہنماؤں پر بھی مقدمہ چلے گا۔

یہاں اس بات کی نشاندہی بھی ضروری ہے کہ قومی اتحاد کے رہنما کافی عرصہ سے مسٹر بھٹو پر ملک توڑنے کے الزامات عائد کرتے ہوئے حمود الرحمٰن کمیشن کی رپورٹ کی روشنی میں ان پر مقدمہ چلانے کا مطالبہ کر رہے تھے لیکن گزشتہ دنوں ملک غلام جیلانی اور بعد ازاں جنرل ضیاء کے اس انکشاف سے انہیں مایوسی ہوئی کہ حمود الرحمان کمیشن رپورٹ میں مسٹر بھٹو کے خلاف ایسی کوئی بات نہیں ہے جس کی بنیاد پر مقدمہ چلایا جا سکے۔ لہٰذا قومی اتحاد کے رہنما جو پچھلے دنوں کمیشن کی رپورٹ پر دھڑا دھڑ بیانات دے رہے تھے، یک لخت خاموش ہو گئے اور رپورٹ کی اشاعت کے مطالبہ سے دستبردار ہو گئے۔ جنرل چشتی سے حالیہ ملاقات کے بعد وہ ایک بار پھر پُر امید نظر آتے ہیں کہ مسٹر بھٹو اس دلدل سے بچ نکلنے میں کامیاب نہ ہوں گے۔ اور مسٹر بھٹو کو سیاسی منظر سے ہٹانے کی ان کی دیرینہ تمنا پوری ہو جائے گی۔

ایک بہت چھوٹے بچے نے باورچی خانے میں اپنی ماں سے پوچھا۔ "قلم زیادہ طاقت ور ہوتا ہے یا تلوار قلم سے زیادہ طاقت ور ہوتی ہے۔"

ماں اس وقت دال پکا رہی تھیں جو کہ اُن سے گلتی نہ تھی۔ ماں نے جھلا کر کہا۔ "میں کچھ نہیں جانتی۔ جا، جاکر اپنے ابّو سے پوچھ۔"

بچّے نے تجسّس سے پوچھا۔ "آپ کیوں نہیں جانتیں ماں!"

"چل بھاگ جا۔" ماں نے کہا۔ "اس وقت میری دال نہیں گل رہی۔"

بچّے نے پوچھا۔ "کیا قلم سے دال گل جاتی ہے ماں!"

ماں نے جواب دیا۔ "میں نہیں جانتی۔"

بچّے نے پھر پوچھا۔ "اچھا کیا تلوار سے دال گل سکتی ہے ماں!"

ماں نے بچّے کو ڈانٹتے ہوتے کہا۔ "یہ بے سروپا باتیں جاکر اپنے ابّو سے کر۔"

بچّہ مایوس ہو کر باورچی خانے سے نکل گیا۔

اُس کے ابّو باہر برآمدے میں بیٹھے ہوتے اخبار سے برائے فروخت کے اشتہارات غور سے پڑھ رہے تھے۔ بچّے نے پہلے اپنے ابّو کی طرف دیکھا۔ پھر اخبار کا مخصوص صفحہ دیکھتے ہوتے اُس نے پوچھا۔ "آپ روزانہ اس صفحے پر کیا پڑھتے ہیں ابّو۔"

ابّو نے بچّے کو پیار کرتے ہوتے کہا۔ "بکنے والی چیزوں کے اشتہارات پڑھتا ہوں بیٹے۔"

بچّے نے پوچھا۔ "کیا کیا بکتا ہے ابّو۔"

"ہمارے ہاں سب کچھ بک جاتا ہے بیٹے۔" ابّو نے کہا۔ "ہمارے ہاں لوگ ضمیر تک بیچ دیتے ہیں"

ضمیر وغیرہ کی باتیں بچّے کی سمجھ میں نہ آتیں۔ اس نے ابّو سے پوچھا۔ "ابّو قلم تلوار سے زیادہ طاقتور ہوتا ہے یا تلوار قلم سے زیادہ طاقتور ہوتی ہے!"

"آہستہ بول" ابّو نے بچّے کے منہ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "اب [illegible] مجھے کیا نوکری سے نکلوانا ہے۔"

بچّے [illegible] کا ہاتھ اپنے مُنہ سے ہٹاتے ہوتے کہا۔ "میرے [illegible] رب نواز نے کہا ہے اس موضوع پر ایک سوال سالانہ امتحان میں ضرور آتے گا۔ اگر ایسا سوال آبھی جاتے تو حل نہ کرنا بیٹے۔"

ابّو نے تقریباً کانپتے ہوئے کہا۔ "میں نہیں چاہتا کہ تو اس چھوٹی سی عمر میں کسی مصیبت میں مبتلا ہو جاتے۔"

بچّے نے پوچھا۔ "یہ سوال کیا بہت [illegible] خطرناک ہے!"

"سوال تو اتنا خطرناک نہیں [illegible]" ابّو نے کہا "لیکن اس سوال کا جواب بہت ہی خطرناک ہے۔"

بچّے نے اشتیاق سے کہا۔ "آپ مجھے آہستہ سے بتا دیجئے میں وعدہ کرتا ہوں کسی کو نہیں بتاؤں گا۔"

"میں کسی قیمت پر خطرہ مول نہیں لے سکتا۔" ابّو نے کہا۔ "چل بھاگ جا اور مجھے بکنے والی چیزوں کے اشتہارات پڑھنے دے۔"

"بکنے والی چیزیں روزانہ بک جاتی ہیں اور آپ ان کے اشتہارات پڑھتے رہتے ہیں۔" بچّے نے کہا۔ "آپ مجھے میرے سوال کا جواب بتا دیجئے۔"

"اچھے بچّے ضد نہیں کرتے۔" ابّو نے کہا "جا جاکر گُلّی ڈنڈے سے کھیل اور بھول جا کہ تلوار قلم سے زیادہ طاقت ور ہے یا قلم تلوار سے زیادہ طاقتور ہے"

بچّہ پریشان ہو کر گھر سے باہر نکلا اور دوستوں کے ساتھ گلّی ڈنڈا کھیلنے لگا۔ وہ اپنے علاقے کا مانا ہوا گلّی ڈنڈے کا کھلاڑی تھا۔ لیکن اس روز وہ بار بار پھِس ہو جاتا۔ اوّل تو ڈنڈے سے گلّی کو مارنے سے چوک جاتا۔ اگر کبھی کبھار ڈنڈا گلّی پر پڑ جاتا، تو گلّی دو چار قدموں سے زیادہ دور نہ جاتی۔ دوستوں نے تعجّب سے پوچھا۔ "آج تجھے کیا ہو گیا ہے یار۔"

بچّے نے کہا۔ "میں بہت پریشان ہوں یار۔"

دوستوں نے پوچھا۔ "کیا کل کے اخبار میں ٹارزن کا مقابلہ گوریلا بنیگارا یا آدم خور چیتے سے ہوتا ہے۔"

بچّے نے کہا۔ "یہ بات نہیں ہے یار۔"

"پھر کیا بات ہے۔" دوستوں نے پوچھا۔

"بہت ہی خطرناک بات ہے۔" بچّے نے کہا۔

"کیا ہمیں نہیں بتاؤ گے۔" دوستوں نے کہا۔

"نہیں۔" بچّے نے کہا۔ "میں نہیں بتا سکتا۔"

"کیوں نہیں بتا سکتے۔" دوستوں نے کہا۔ "ہو سکتا ہے ہم تمہاری مدد کریں۔"

بچّے نے غور سے اپنے دوستوں کی طرف دیکھتے ہوتے پوچھا۔ "قلم تلوار سے زیادہ طاقتور ہوتا ہے یا تلوار قلم سے زیادہ طاقت ور ہوتی ہے۔"

اس نے ابھی سوال مکمل کیا تھا کہ اس کے دوست چیختے چلّاتے بھاگ گئے اور وہ گلی میں تنہا رہ گیا۔ ایک پنساری نے اپنی دکان سے نکل کر بچّے سے پوچھا۔ "تم نے کیا کہا تھا کہ تمہارے دوست تتّر بتّر ہو گئے۔"

بچّے نے پنساری کی طرف دیکھتے ہوتے کہا۔ "میں نے اُن سے پوچھا تھا کہ قلم تلوار سے زیادہ طاقت ور ہے یا تلوار قلم سے زیادہ طاقت ور ہے۔"

بچّے کی بات سن کر پنساری لپک کر دکان میں داخل ہو گیا اور اس نے دکان کے کواڑ بند کر دیتے۔

دوسرے روز بچّے نے اسکول میں اپنے استاد سے پوچھا۔ "قلم تلوار سے زیادہ طاقت ور ہے یا تلوار قلم سے زیادہ طاقتور ہے۔"

اُستاد نے چونک کر بچّے کی طرف دیکھا اور کہا "چل بینچ پر کھڑا ہو جا۔"

بچّے نے قدرے تعجب سے کہا۔ "میں نے ہوم ورک کر لیا ہے سر۔"

اُستاد نے کرخت لہجے میں کہا۔ "میں کہتا ہوں بینچ پر مرغا بن جا۔"

"لب پہ آتی ہے" دعا بھی مجھے ازبر ہے سر۔" بچّے نے پوچھا۔ "میری خطا کیا ہے سر۔"

"تو نے بہت ہی خطرناک سوال پوچھا ہے۔" اُستاد نے کہا۔ "تیری سزا یہ ہے کہ تو بینچ پر مرغا بن جا۔"

بچّہ مُرغا بن گیا۔

میں اپنا فرض ادا کرتا رہوں گا، تم اپنا فرض ادا کرو: ٹکا خان

گھر والوں کو بھی علم نہیں کہ انہیں کہاں رکھا گیا ہے۔

یکم اپریل ۱۹۷۸ء کو لاہور ہائی کورٹ کے مسٹر جسٹس ذکی الدین پال کی عدالت میں پیپلز پارٹی کے رہنما اور سابق چیف آف آرمی اسٹاف جنرل (ریٹائرڈ) ٹکا خان کی نظر بندی کے احکامات کے خلاف رٹ درخواست کی سماعت شروع ہوئی تو اسسٹنٹ ایڈوکیٹ جنرل رشید عزیز نے عدالت کو بتایا کہ حکومت نے جنرل (ریٹائرڈ) ٹکا خان کی نظر بندی کے احکامات واپس لے لئے ہیں چنانچہ عدالت نے اپنے حکم میں کہا کہ چونکہ نظر بند اب نظر بند نہیں ہے اس لئے رٹ درخواست غیر موثر ہوگئی ہے۔

جنرل ٹکا خان کو ۲۰ مارچ ۱۹۷۸ء کو لوہاری گیٹ سے پولیس نے گرفتار کیا تھا۔ دوران نظر بندی انہیں مری میں رکھا گیا۔ ۳۱ مارچ ۱۹۷۸ء کو انہیں لاہور لایا گیا۔ اور پولیس نے ریمانڈ کے لئے انہیں اسسٹنٹ کمشنر سٹی مسٹر وحید اللہ گورایا، جو اس وقت اسسٹنٹ کمشنر کیبنٹ کے دفتر میں بیٹھے ہوتے تھے، پیش کیا۔ اے سی سٹی نے ۱۴ دن کا جوڈیشل ریمانڈ دے دیا۔ سابق چیف آف آرمی اسٹاف کو مارشل لاء کے حکم ۳۳ کی خلاف ورزی، تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۳۰۷ (ارادہ قتل) دفعہ ۱۴۸ اور دفعہ ۴۳۵ (آتش زنی) کے الزامات کے تحت گرفتار کیا گیا۔ سرکاری ذرائع کے مطابق ٹکا خان کو کوٹ لکھپت جیل میں رکھا گیا ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ انہیں جیل کے اسی کمرے میں رکھا گیا ہے جہاں مسٹر بھٹو کو مقدمہ قتل کی سماعت کے دوران رکھا گیا تھا۔ لیکن ایک ذریعے کا کہنا ہے کہ جنرل (ریٹائرڈ) ٹکا خان کو کوٹ لکھپت جیل سے مری منتقل کر دیا گیا ہے۔ تاہم یہ تصدیق نہیں ہو سکی ہے کہ جنرل ٹکا خان کہاں پر ہے۔

نمائندہ الفتح نے جب فون پر جنرل صاحب کے گھر والوں سے رابطہ قائم کیا تو ایک محترم خاتون نے جواب دیا "ہمیں بھی نہیں پتہ کہ جنرل کہاں پر ہیں" جب اُن کی توجہ اس خبر کی جانب دلائی گئی کہ انہیں رہا کیا جا چکا ہے تو انہوں نے کہا کہ ٹی۔ وی پر ہم نے بھی سُنا ہے۔ خدا جانے سچ ہے یا ویسے ہی لیکن ہمیں کوئی علم نہیں کہ وہ کہاں پر ہیں۔

باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ ۲۰ مارچ ۱۹۷۸ء کو جنرل ٹکا خان کی گرفتاری کے فوراً بعد ان سے انتظامیہ کے ایک اہم رکن نے ملاقات کی اور کہا۔ "سر! ہم آپ کی بہت عزت اور احترام کرتے ہیں۔ آپ کو گرفتار کرنا نہیں چاہتے تھے مگر حالات کی وجہ سے مجبور تھے۔ ہمارا مشورہ ہے کہ آپ سیاست میں حصہ نہ لیں اور اس سے کنارہ کشی اختیار کر لیں"۔ جنرل ٹکا خان نے اس مشورے کو نا منظور کرتے ہوئے کہا "میں سوچ سمجھ کر سیاست میں آیا ہوں۔ اس راہ میں جو کچھ بھی گزرے گی اُسے سہہ لوں گا۔ تم اپنا فرض ادا کرو اور میں اپنا فرض پورا کرتا رہوں گا"۔

اسٹریٹیڈ ویکلی آف انڈیا کے مدیر خشونت سنگھ نے اپنے دورۂ پاکستان کے دوران جنرل ٹکا خان کا انٹرویو لیا، اس کے اہم اقتباسات نذرِ قارئین کئے جاتے ہیں (ادارہ)

رن آف کچھ کی لڑائی میں پاکستانی رینجرز نے بھارتی فوجوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا

جنرل ٹکا خان سے ایک ملاقات

خشونت سنگھ

جنرل ٹکا خان نے کہا، نیازی کے پاس

ایک اور ماہ کیلئے گولہ بارود کا ذخیرہ موجود تھا

جنرل ٹکا خان نے ہمارے آدمیوں کے ساتھ پہلی پہلی بار شمشیر آزمائی ۱۹۶۵ء میں رن آف کچھ میں کی۔ یہ ایک معمولی جھڑپ تھی۔ انہوں نے کہا "آپ کی بارڈر سیکورٹی فورس سے ہمارے رینجرز نے مقابلہ کیا۔ مختصر سے تصادم کے بعد جنگ بندی ہوگئی۔ اور چند روز بعد (۴ جولائی) کو ہماری فوجیں واپس ہوگئیں۔"

پھر ۲۲ روز جنگ ہوئی، جنرل ٹکا خان سیالکوٹ کے انچارج تھے، ان کے مقابلے میں بھارتی جنرل تھاپان اور نورونہ تھے جو ماضی میں ان کے رفقائے کار رہ چکے تھے۔ جنرل ٹکا خان نے کہا "یہ جنگ ایک قسم کے تعطل میں ختم ہوئی، آپ تعداد میں ہم سے تین گنا تھے لیکن ہم اپنے مورچے پر ڈٹے رہے۔"

پاکستانیوں کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے ۱۹۶۵ء کی جنگ میں کامیابی حاصل کی تھی، "آپ یوم فتح مناتے ہیں"۔ میں نے کہا "اس کا کوئی جواز نہیں ہے۔ نہ زخمیوں اور جو اسلحہ پکڑا گیا اس کے تناسب سے، نہ مقبوضہ علاقے کے اعتبار سے، اکثر غیر ملکی فوجی مبصرین کا کہنا ہے کہ ہم ہندوستانیوں کو آپ پر برتری حاصل ہوئی تھی"۔

جنرل ٹکا خان نے ایک سپاٹ مسکراہٹ سے میری جانب دیکھا اور قطعی غیر جذباتی انداز میں جواب دیا۔ "ہم یہ کہتے ہیں کہ آپ کا نقصان زیادہ ہوا، اس مؤقف کی ایک وجہ ہے کہ آپ نے ہم پر حملہ کیا اور حملہ آور کا ہمیشہ زیادہ جانی اور مالی نقصان ہوتا ہے۔"

"علاقوں کے بارے میں کیا خیال ہے؟ اور ٹینک؟ اور ہوائی جہاز، ہمارے اعداد و شمار آپ کے اعداد و شمار سے نہیں ملتے"

جنرل اپنے موقف پر قائم رہے اور اسی بات کو دھرایا کہ "ہم کہتے ہیں کہ آپ کا زیادہ نقصان ہوا" اور پھر اتنا ضرور کہا "ہمارے اور آپ کے نقصانات میں اتنا زیادہ فرق نہیں تھا لیکن ہم کہتے ہیں کہ ہم نے آپ کا زیادہ نقصان کیا"۔ میں نے زیادہ اصرار نہیں کیا۔

۲۲ روزہ ہندو پاک جنگ کے آخر میں جنرل ٹکا خان کوارٹر ماسٹر جنرل بن گئے۔ اور اپریل ۱۹۶۹ء میں لیفٹیننٹ جنرل، اس موسم گرما میں پہلی بار انہیں میدان سیاست میں داخلے کا موقع ملا۔ جب اگست میں انہیں لاہور میں مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر مقرر کیا گیا، اور یہاں قریباً وہ دو برس تک رہے جب مشرقی پاکستان میں لاوا ابلنے لگا۔

سیاسی مفادات نہیں

اس وقت تک جنرل ٹکا خان یہ شہرت حاصل کر چکے تھے، جس علاقے میں بھی گڑبڑ ہو وہاں غیر ضروری تشدد کئے بغیر وہ امن و امان بحال کر لیتے ہیں، انہیں اپنے رفقائے کار اور صدر یحییٰ خان کا اعتماد حاصل تھا، کئی دوسرے سینئر افسروں کی طرح ان کے کوئی سیاسی مفادات نہیں تھے۔ ان پر یہ بھروسہ کیا جا سکتا تھا کہ وہ سیاست دانوں سے سیاسی کھیل کھیلے بغیر مذاکرات کر سکتے ہیں۔ اس لئے قدرتی طور پر مشرقی پاکستان کے گورنر اور مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے لئے وہ بہترین انتخاب تھے۔

"یہ شاید پانچ مارچ ۱۹۷۱ء کی بات ہے کہ صدر یحییٰ خاں نے مجھے کراچی میں بلایا ہم نے لمبی ذاتی گفتگو نہیں کی، انہوں نے مجھے فوری طور پر ڈھاکہ پہنچنے کے لئے کہا کیونکہ صورتِ حال بگڑ رہی تھی"۔ جنرل ٹکا خان نے کہا۔ "میں نے لاہور میں چارج دیا اور پہلی بیرونی پرواز لی، بیرونی پرواز، کیوں کہ آپ نے اپنے اوپر سے پاکستانی جہازوں کی پرواز روک دی تھی، اور مجھے سیلون سے جانا پڑا۔ ڈھاکہ ائیرپورٹ پر میں ۷ مارچ کی صبح کو اترا"

"یہ انتہائی خطرناک صورت حال تھی۔ ایڈمرل احسن نے گورنر کے عہدے سے استعفیٰ دے دیا تھا۔ اسی طرح جنرل یعقوب نے بھی، لیکن وہ اب بھی گورنر ہاؤس میں قیام پذیر تھے۔ میں چھاؤنی میں ایک گھر میں چلا گیا۔ میں نے چیف سیکرٹری، پولیس کے انسپکٹر جنرل اور ڈپٹی انسپکٹر جنرل کی میٹنگ بلائی" مجھے معلوم ہوا کہ صورت حال شہری حکام کے قابو سے باہر ہے اور شیخ مجیب الرحمان اگلے روز ریس کورس میں ہونے والی میٹنگ میں بنگلہ دیش کی آزادی کا اعلان کرنے والے ہیں۔ چیف سیکرٹری اور انسپکٹر جنرل پولیس کے مشورے

مغربی محاذ پر حقیقی جنگ نہیں ہوئی

"مغربی محاذ کے بارے میں کیا خیال ہے۔ آپ کی فوج نے تو ادھر بھی کوئی قابل ذکر مظاہرہ نہیں کیا۔"

"مغربی محاذ!" جنرل نے استفہامیہ انداز میں کہا "مغربی محاذ پر تو حقیقی جنگ ہوتی ہی نہیں، ہمارے محفوظ دستے جوں کے توں تھے۔ ہماری ہنگامی رجمنٹیں استعمال نہیں کی گئیں۔ یحییٰ خان کا جنگ بندی کا حکم میری زندگی کا سب سے بڑا صدمہ تھا۔ ہم اور کئی ماہ تک لڑائی جاری رکھ سکتے تھے اور جنگ کو برابر کی شرطوں پر ختم کرتے۔"

نیازی، بھارتی جنرلوں کے مقابلے میں کچھ نہ کر سکے

پر میں نے شیخ صاحب سے ملنے کی کوشش کی۔ وہ نہ تو گورنر ہاؤس میں آنے کو تیار تھے۔ اور نہ چھاؤنی میں، انہوں نے کسی تیسری جگہ بھی ملنے سے انکار کر دیا اپنی سیاسی حیثیت قائم رکھنے کے لئے وہ چاہتے تھے کہ میں ان سے ملنے جاؤں۔"

"تاہم انہوں نے آزادی کا اعلان نہ کیا۔ لیکن مجھے معلوم ہوا کہ ان کے آدمی انتشار برپا کر رہے تھے، میں گورنر ہاؤس میں منتقل ہو گیا تھا۔ لیکن میں جانتا تھا کہ مجیب کو یہاں آنے میں تامل ہے اس لئے میں نے اسے اسمبلی بلڈنگ میں ملنے کا مشورہ دیا مجھے یاد ہے کہ میں نے لکھا تھا کہ "یہ آپ کا مستقبل کا گھر بھی ہو گا۔"

میں نے قطع کلامی کی اور پوچھا: "کیا چیف جسٹس نے حلف لینے سے انکار نہیں کیا تھا۔"

"وہ کچھ خوف زدہ تھا، اس نے مجھے ایک تحریر بھجوائی تھی جس میں لکھا تھا کہ اس کی زندگی خطرے میں ہے، تاہم میں گورنر اور مارشل لا۔ ایڈمنسٹریٹر کے فرائض حلف اٹھائے بغیر ہی انجام دینے لگا۔"

انہوں نے پھر اپنی داستان شروع کی: "۱۲ مارچ کو میں نے یہ خبر جاری کی کہ صدر ڈھاکہ کا دورہ کریں گے۔ تین روز بعد یحییٰ خاں اور مسٹر بھٹو پہنچے۔ اور لیڈروں کے درمیان مذاکرات شروع ہوتے۔"

"میں آپ کے علم میں یہ بات لانا چاہوں گا کہ اس وقت تک ہم نے کوئی کارروائی نہیں کی تھی۔" جنرل ٹکا خاں نے زور دیتے ہوتے کہا "چھاؤنیوں سے ایک بھی سپاہی باہر نہیں نکلا، ایک یونٹ جو مشرقی پاکستان میں ڈیوٹی پر جانے کے لئے کراچی میں موجود تھا۔ اسے جہاز پر سوار ہونے کی اجازت نہیں دی گئی کہ کہیں اس سے بھی غلط فہمی نہ ہو جائے چٹاگانگ میں ایک اسلحہ سے بھرا ہوا جہاز کھڑا تھا، بنگالیوں نے اس سے اسلحہ اتارنے سے انکار کر دیا تھا۔ میں نے حکم دیا کہ ان کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی جائے۔ حتیٰ کہ جب سیاسی مذاکرات ناکام بھی ہو گئے۔ میں نے فوجی کارروائی کا حکم نہیں دیا۔"

"یہ صرف اس وقت ایسا ہوا جب مختلف مقامات، کشتیا، پبنہ، چٹاگانگ اور دوسری جگہوں پر ایسٹ پاکستان رائفلز اور مسلح کانسٹیبلری نے بغاوت کر دی، اور اپنے غیر بنگالی افسروں کو ہلاک کر ڈالا۔ بعض جگہ تو ان کے اہلِ خاندان کا بھی قتلِ عام کیا گیا۔ اس وقت میں نے محسوس کیا کہ مجھے ایک مکمل بغاوت کا سامنا ہے اور میں نے کارروائی کرنے کا فیصلہ کر لیا۔"

"کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ ۲۵ مارچ اور ۲۶ مارچ ۱۹۷۱ء کی بدقسمت رات کو واقعات کس ترتیب سے ہوتے؟" میں نے پوچھا۔

۲۵ مارچ کی رات

"ہاں"۔ انہوں نے جواب دیا۔ اور تفصیل سے اپنی یادوں کے ماضی میں جانے کی کوشش کی: "میری اطلاع تھی کہ یونیورسٹی جو بند ہے اسے ایسٹ پاکستان رائفلز اور بنگالی پولیس کے باغیوں کے لئے اسلحہ اور گولہ بارود جمع کرنے کے لئے استعمال کیا جا رہا ہے، میرے حکم پر ۱ بجکر ۳۰ منٹ پر

> **میں، گورنر اور مارشل لا ایڈمنسٹریٹر کے فرائض حلف اٹھائے بغیر ھی سرانجام دینے لگا!**

پورے ملک میں بنگالی پولیس کو غیر مسلح کر دیا گیا۔ شام کو میرے آدمیوں نے اسلحہ خانہ پر قبضہ کر لیا جہاں ہتھیار جمع کئے گئے تھے میں نے کارروائی کی ہدایت کی، اور مسلسل ٹیلی فون اور ریڈیو کے ذریعے رابطہ رکھے ہوتے تھے کہ کیا کچھ ہو رہا ہے۔"

جنرل نے شیخ مجیب الرحمان کی گرفتاری اور ان کی مغربی پاکستان منتقلی کا ذکر نہیں کیا۔

"ملک کے مختلف حصوں میں بڑی شدید لڑائی ہوئی ڈھاکہ میں ہم رات بھر مزاحمت کے اڈوں کی صفائی کرتے رہے۔ صبح تک ہم صورت حال کو ہم اپنے قابو میں لا چکے تھے"۔

"کس قیمت پر۔؟ اخبارات کے مطابق تو آپ نے خون کی ندیاں بہا دی تھیں۔ خاص طور پر یونیورسٹی میں جو کچھ ہوا، اس کی باقاعدہ عینی شہادتیں بھی ہیں۔"

"یہ آپ کے پروپیگنڈہ کرنے والے تھے۔ آپ کا آل انڈیا ریڈیو اور آپ کے اخبارات، اس وقت میں اس نتیجے پر پہنچا کہ اگر آپ سچائی سے آگاہ ہونا چاہتے ہیں تو جو کچھ بھارتی کہیں اسے ۷۰ پر تقسیم کر دیں۔"

یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی، میں نے جنرل سے پوچھا۔ "آپ کا ہر اعداد و شمار کو ۷۰ پر تقسیم کرنے سے کیا مطلب ہے؟"

"آپ کے اخبارات کی روشنی میں غیر ملکی اخبارات نے لکھا کہ ڈھاکہ میں ۲۵ اور ۲۶ کی رات کو ۷ ہزار افراد ہلاک ہوتے حالانکہ اس رات ہلاک ہونے والوں کی اصل تعداد ۱۰۰ سے کم تھی۔ صحیح تعداد ۹۷ تھی۔ میں نے حکم دیا تھا کہ تمام لاشیں صرف دو ہسپتالوں میں لائی جائیں، ایک میں ۶۶ تھیں اور دوسرے میں ۳۱ یعنی کل ۹۷، چلئے ہم سمجھ لیں کہ دو یا تین کا علم نہیں ہو سکا تھا یا ان کے رشتے دار اٹھا لے گئے۔ اس طرح ۱۰۰ تعداد کر لیں۔ اسے ۷۰ سے ضرب دیجئے تب آپ کو وہ تعداد ملے گی جو بھارتی بتاتے ہیں۔"

"آپ کے اپنے مسکر ینہاس۔؟!..."

"اوہ! مسکرینہاس۔" جنرل نے بڑے حقارت بھرے انداز سے ٹھکرایا۔ جیسے کسی بدبو سے وہ اپنے آپ کو بچا رہے ہوں

"آپ کے کتنے آدمی کام آتے۔؟" میں نے پوچھا۔

"ایک ہلاک اور چار زخمی۔"

"اس سے معلوم ہوتا تھا کہ کچھ زیادہ مزاحمت نہیں ہوئی۔" میں نے کچھ اشارہ کی جسارت کی۔

انہوں نے میری اس ترمیم کو نظر انداز کیا، اور بھارتی اور غیر ملکی اخبارات پر اپنا حملہ جاری رکھا: "آپ کے آل انڈیا ریڈیو نے میری ہلاکت کی خبر نشر کر ڈالی، بی بی سی ٹیلی ویژن نے اس خبر کو اچک لیا۔ میں اسے "کارروائی کی پیشین گوئی" کہتا ہوں۔ اس امید کے ساتھ کہ کوئی نہ کوئی مجھے ضرور ہلاک کرے گا۔"

جنرل فاتحانہ انداز میں مسکراتے، میں نے اعتراف کیا کہ آل انڈیا ریڈیو نے واقعی حماقت کی تھی۔

"نہ صرف اس پر بلکہ دوسری ہر چیز پر بھی۔" جنرل کا اصرار تھا: "انہوں نے لکھا کہ میں ہندوؤں کو ہلاک کیا ہے۔ جون میں جب یونیورسٹی دوبارہ کھلی ۹۰ فی صد اسٹاف جس میں ہندو بھی تھے واپس ڈیوٹی پر آتے۔ آپ کے لوگوں نے مارچ سے لے کر جنگ کے آغاز تک ہلاک ہونے والوں کی تعداد ۳۰ لاکھ لکھی اور بھارت فرار ہونے والے پناہ گزینوں کی تعداد ایک کروڑ لکھی، مجھے معلوم ہے کہ ۲۶ ہزار سے زیادہ افراد ہلاک نہیں ہوتے اور پناہ گزینوں کی تعداد ۲۵ لاکھ سے کسی صورت زیادہ نہ تھی۔"

میں نے اعداد و شمار پر احتجاج کیا: "جنرل صاحب میں

نے پناہ گزینوں کی تعداد تو شمار نہیں کی لیکن میں نے لاتعداد کیمپ دیکھے ہیں آپ کو یقین دلا سکتا ہوں کہ ہمارے اعداد و شمار میں مبالغہ نہ تھا، یہ اعداد و شمار ان راشن کارڈوں کی روشنی میں مرتب کئے گئے تھے جو پناہ گزینوں کو جاری کئے گئے۔ ہم تو ایک سال سے زیادہ عرصہ تک پناہ گزین ٹیکس ادا کرتے رہے ہیں۔"

جنرل نے یہ دلیل تسلیم نہ کی "میں کارروائی کا انچارج تھا۔ مجھے زیادہ بہتر جاننا چاہیئے۔ میرے اندازوں کی بنیاد تمام اضلاع سے موصول ہونے والی رپورٹوں پر تھی۔ میں نے ہر متاثرہ علاقے کا ہیلی کوپٹر اور کار سے دورہ کیا۔ میں آپ کو بتا سکتا ہوں کہ ہلاک ہونے والوں کی تعداد ۲۶ ہزار سے زیادہ نہ تھی، ہمارے ۸۰۰۰ ہزار نوجوان کام آئے۔ یہ اتنی بڑی تعداد نہیں ہے، کیونکہ ہم ایک بغاوت کا مقابلہ کر رہے تھے۔"

بہاریوں کا قتل عام

پھر جنرل نے حملے کا رخ میری سمت کر دیا: "ہمارے پاس ثبوت موجود ہے کہ بھارتی مداخلت مارچ میں شروع ہو گئی تھی، ہمارے پاس ثبوت ہے کہ بنگالی بہاریوں کا قتل عام کر رہے تھے۔" انہوں نے ایک بوگرہ کے ایک گاؤں سنتا ہار کا نام لیا۔ جہاں ان کے بقول ۱۰ ہزار بہاری مارے گئے تھے: "امن بحال کرنے کا ہمارا کام مشکل بنا دیا گیا۔ کیوں کہ آپ کی بارڈر سیکورٹی فورس سرحدوں کو نہ صرف گرم کر رہی تھی بلکہ وہ ہماری سرحدوں میں چھ سات میل اندر گھس بھی آئی تھی۔

میں نے محسوس کیا کہ اعداد و شمار پر کوئی اتفاق رائے نہیں ہو سکتا، اور جنرل صاحب بھی موضوع کو چھوڑنے پر تیار نہ تھے۔

من گھڑت کہانیاں

"آپ کے اخبارات نے یہ کہانیاں بھی پھیلائیں کہ ہمارے فوجیوں نے ہزاروں بنگالی عورتوں کی بے حرمتی کی ہے اور کتنی ناجائز بچے چھوڑ گئے، مئی کے پورے مہینے میں زنا کے صرف دو کیس رپورٹ کئے گئے، اس کی شکار ملٹری پولیس کی پنجابی عورتیں تھیں۔ دونوں آدمیوں کو سات سال اور تین سال کی سزائیں دی گئیں۔ ستمبر میں جب میں واپس آ رہا تھا تو دو مزید رپورٹیں ملیں۔ کل تعداد چار تھی۔ سردار صاحب میں اپنے آدمیوں کو جانتا ہوں۔ میں ان کے ساتھ ۴۰ سال سے ہوں، وہ مذہبی اور خدا ترس آدمی ہیں۔ جو خواتین سے زبردستی کر ہی نہیں سکتے۔ یہ سارا کھیل صرف ہمیں بدنام کرنے کے لئے تھا۔ اگر زنا کی ۳ لاکھ وارداتیں

ہوتی ہیں۔ تو وہ تمام بچے کہاں گئے جو ان عورتوں کے تھے؟"

میں نے کہا کہ "بہت سی عورتوں کا اسقاط ہوا ہے بہت سے بچے مدر ٹریسا کی خدمات سے متبنیٰ بنا لئے گئے ہیں۔"

"نہیں، نہیں"، جنرل نے اصرار کیا۔ "یہ سب کچھ اس کھیل کا حصہ تھا۔ جو ہماری فوج کو بدنام کرنے کے لئے کیا گیا۔"

"کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ آپ کی فوج سے بنگالی عوام کیوں نفرت کرنے لگے تھے؟" میں نے پوچھا۔ جنرل کے بقول اس کی وجہ بھارتی پروپیگنڈہ بازوں کی پھیلائی ہوئی جھوٹی کہانیاں تھیں، میں نے اپنی بحث کو بے فائدہ سمجھتے ہوئے موضوع بدلا۔ "جنرل صاحب خواہ آپ میرے اس سوال کا جواب دیں یا نہیں، کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ آپ کی فوج کی کارکردگی اتنی مایوس کن کیوں رہی۔؟" میں نے انہیں جنرل جگجیت سنگھ اوروڑا سے جنگ چھڑنے سے چند ماہ پہلے کے انٹرویو کا حوالہ دیا اور بتایا اوروڑا کو بھی توقع نہیں تھی کہ آپ کی فوج اتنی جلدی حوصلہ ہار دے گی۔ کیوں کہ وہ پاکستانی فوج کی عسکری صلاحیتوں کے بڑے معترف تھے۔ میں نے انہیں پاکستانی اسلحہ اور گولہ بارود کی بہت بڑی مقدار کا بتایا۔ جس پر بھارتیوں نے قبضہ کیا، آخر کیا ہوا۔؟ انہوں نے فائرنگ کیوں نہ کی۔ اور کم از کم ہتھیار ڈالنے سے پہلے گولہ بارود کے ذخائر کو تباہ کیوں نہیں کر دیا۔"

ٹکا خان نے سوال کا جواب نمایاں کرب سے دیا۔ "آپ کے جنرلوں نے ہمیں بے تدبیر کر دیا۔ اس کا اعتراف کرنا چاہیئے، انہوں نے ہماری فوج کو مناسب دفاعی پوزیشنوں سے لڑنے نہ دیا۔ وہ تمام سرحدوں پر دباؤ ڈالتے رہے اور ہمارے یونٹوں کے درمیان رابطے کاٹ دیئے، نیازی ایک جنرل کی حیثیت سے بھارتی جنرلوں کے مقابلے میں کچھ نہ کر سکے۔ اس میں کوئی شک نہیں۔"

جنرل نے اتفاق کیا کہ جنرل فضل مقیم خان کی کتاب "پاکستان میں قیادت کا بحران" کا اس سقوط کے سلسلے میں تجزیہ درست ہے۔

"لیکن یہ مقامی عوام کی نفرت تھی جو حقیقت میں ہمارے خلاف گئی۔ ایسی کسی بھی لڑائی میں ۱۰ فی صد عوام ایک طرف ہوتے ہیں۔ ۱۰ فی صد دوسری طرف اور باقی ۸۰ فیصد جیتنے والے فریق کے ساتھ، یہی بنگال میں ہوا اس طرح آخری مراحل میں ۹۰ فیصد عوام ہمارے خلاف تھے۔ میرا خیال ہے کہ ایک حوالدار جو بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس نے صحیح جواب دیا تھا۔ جب اس نے کہا۔ عوام ہمارے خلاف ہو گئے ہیں۔"

"پھر بھی نیازی نسبتاً بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کر سکتے تھے یہ علاقہ دفاعی کارروائی کے لئے تو انتہائی موزوں تھا۔ اس کے پاس اگلے ایک ماہ کی سپلائی کے لئے گولہ بارود کا ذخیرہ راجندر پور میں تھا۔ گورنر مالک نے مجھے بتایا کہ ان کے پاس صرف ایک مہینے کی خوراک کا ذخیرہ رہ گیا ہے: "تو کیا ہوا؟ میں نے کہا، راشن کو آدھا کر دو۔ یہ جنگ ہے، لیکن انہوں نے تو بہت جلد حوصلہ ہار دیا۔

ہم دو گھنٹوں سے باتیں کر رہے تھے۔ میں اجازت لینے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا، میں نے کہا "میں توقع کر رہا تھا کہ میں بھارت سے اپنا حساب چکانے کے بارے میں بہت کچھ سنوں گا، مجھے اطمینان ہوا ہے کہ یہاں کوئی دوسری جنگ کی بات نہیں کرتا۔"

■

جنگ بندی کا حکم میری زندگی کا سب سے بڑا صدمہ تھا

شہزاد غزنوی

ولی خاں کے آبائی گاؤں میں پیپلز پارٹی کا احتجاجی جلوس

جنرل (ر) نصیر اللہ بابر، میجر (ریٹائرڈ) آفتاب شیرپاؤ، محمد حنیف خان (سابق سپیکر) خاں بہادر خاں ایڈووکیٹ اور خواتین میں مہرالنساء آفریدی، وحیدہ حسین کے علاوہ گزشتہ ماہ گرفتار کیے جانے والے پاکستان پیپلز پارٹی کے کارکن اور رہنما رہا کر دیے گئے۔ لیکن ان رہا ہونے والوں میں وہ طلباء کارکن اور رہنما شامل نہیں جنہیں مختلف میعاد کی سزائیں سنائی جا چکی ہیں۔ اب ان رہنماؤں کی گرفتاری کو مینٹنین آف پبلک آرڈر کی بجائے مارشل لاء کی مختلف دفعات میں بدل دیا ہے۔ اور عورتوں کی گرفتاری بھی مارشل لاء کے تحت کر دی گئی۔

موجودہ انتظامیہ نے اعلان کیا تھا کہ گزشتہ دور میں عورت کی توہین کی گئی۔ چنانچہ اب خواتین کو تھانے تک میں طلب نہیں کیا جائے گا۔ اور اگر کسی خاتون کا بیان لینا مقصود ہوا تو پولیس آفیسر ان کے گھر جا کر بیان لے گا۔ بہت سے اعلانوں اور وعدوں کی طرح اس اعلان کی پاسداری بھی انتظامیہ سے نہ ہو سکی اور مرد کارکنوں کے ساتھ عورتوں پر بھی نہ صرف جیل کے دروازے کھل گئے بلکہ عورتوں سے جیلوں کے پیٹ بھر گئے۔ اور جگہ کم ہونے لگی۔ سرحد جہاں عورت غیرت کی ہنوز نشانی ہے۔ عورت کی اس طرح بے توقیری اور چادر چار دیواری کا مذاق اس خوف کی سل کو توڑنے کا سبب بن رہا ہے۔ جو مختلف ضابطوں اور کوڑوں کے جال نے پھیلا رکھا ہے۔ یہی سبب ہے کہ اس بار سرحد کے دور دراز کے ان قبائلی علاقوں تک میں احتجاج کی آوازیں اٹھیں، جہاں لوگوں کو یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ ان کا "بادشاہ" کون ہے۔ سرحد کے ان غیور علاقوں نے جلوس جلسے اور نعرے لگا کر یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ ملک بھر کے اس احتجاج میں شامل ہیں جو جبریت کے خلاف عوام نے کر رکھا ہے۔ خود سرحد کے رہنما ولی خان کے ولی باغ سے پانچ میل دور (جہاں ولی خاں اور اس کے رفقاء کی گرفتاری اور پارٹی پر پابندی لگتے پر ایک شخص بھی احتجاج کے لیے نہ نکلا تھا) تاریخی احتجاجی جلوس نکالا گیا۔ نعرے بھٹو کی رہائی کے لیے لگے۔ لاٹھی چارج اور آنسو گیس کا استعمال ہوا۔ اور ان تشدد [illegible] میں سے بڑی تعداد میں گرفتاریاں عمل میں لائی گئیں۔ لیکن یوں لگتا ہے کہ تمام رہنماؤں اور ہزاروں کارکنوں کی گرفتاری کے باوصف اگر مرکزی قیادت احتجاج کی کال دیتی ہے تو اس بار کیماڑی سے طورخم تک ایک سی صدائے احتجاج بلند ہو گی۔ جو پاکستان کی تاریخ کا عجیب باب ہو گا۔ پیپلز پارٹی کے ایک رہنما کہتے ہیں۔ مسلمان کا حافظہ بہت کمزور ہوتا ہے۔ کہ میر صادق، میر جعفر کا کردار تاریخ کے صفحات پر مرکوز ہے کہ اس صفحے سے بدبو کے بھبکے انسانی ضمیر کو داغدار کر دیتے ہیں کہ وہ شخص جو اپنے نصب العین اپنے ملک، اپنی جماعت، اپنے دوستوں کو عین برے وقت میں چھوڑتا ہے۔ اس کا نام تاریخ میں بدبودار کردار کے طور پر لکھا جاتا ہے اور جو تاریخ کے ان صفحات سے عبرت نہیں پکڑتا۔ تاریخ اس کے بعد آنے والوں کے لیے عبرت کا سامان مہیا کرتی ہے۔

چاند سورج اور دریا (بھٹو کی چاندنی روشنی اور لہریں یعنی دیدہ ور کے مصنف مولانا کوثر اپنے جسمانی اور روحانی علاج کے بعد لندن یاترا کر کے وطن واپس پہنچ گئے۔ اور دیدہ ور کی کتاب پر نیا ٹائیٹل لگا کر مارکیٹ میں لانے سے قبل فوجی حکومت کو اپنے تعاون کی یقین دہانی کے بعد اپنی خدمات پیش کر دی ہیں خواہ مولانا بیچارے کے کمزور کندھوں پر مذہبی امور کی وزارت کا بوجھ ہی کیوں نہ ڈال دیا جاتے۔ وزارت اس لیے کہ دوسرا دیدہ ور تصنیف کرنا وزارت کے علاوہ ممکن ہی نہیں۔ اور مذہبی امور اس لیے کہ مولانا اس میں خاصے مشاق ہیں۔ اب سوال صرف یہ رہ جاتا ہے کہ کیا جنرل ضیاء نے مولانا کے ہاتھوں پہلے دیدہ ور کا انجام نہیں دیکھا۔ اس دیدہ ور کا جس نے گوالمنڈی کے کیفے سے مولانا کی انگلی پکڑ کر وائٹ ہاؤس کے دروازے تک پہنچایا تھا۔

این ڈی پی کے حلقے ان دنوں نیشنل پروگریسو پارٹی کے رہنماؤں کو ہدفِ تنقید بنائے ہوئے ہیں۔ این ڈی پی کی موجودہ حکمت علی جو سردار شیر باز مزاری جیسے بڑے جاگیردار کی قیادت میں ترتیب پا رہی ہے۔ یقیناً ان کارکنوں کے لیے قابل قبول نہیں جنہوں نے اپنے نہایت قیمتی سن و سال قید و بند میں رہ کر گزارے۔ چنانچہ وہ اپنے عدم اطمینان کا اظہار کرتے ہیں تو معتوب ٹھہرتے ہیں اور اگر اس صورتحال کے جال کو توڑتے ہیں تو غدار کہلاتے ہیں۔ ایک طرف صحیح سوچ رکھنے والوں کو پارٹی کے اندر تنقید کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ انہیں، انتہا پسند، کمیونسٹ اور جانے کون کون سے القابات سے نوازا جا رہا ہے۔ دوسری طرف جب وہ انہیں چھوڑنے کے لیے تیار ہوتے ہیں۔ تو تنقید کا نیا دروازہ کھل جاتا ہے۔ ان پر تنقید عموماً ان حلقوں کی طرف سے کی جا رہی ہے جو ہر دور میں آسودہ رہتے ہیں اور اپنی دانشوری کے سہارے اپنے لیے جگہ بنا کر صحیح کیڈر کو رگیدنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔

جناب افراسیاب خٹک اور ان کے رفیق جنہیں این ڈی پی والے "پانچ رکنی ٹولہ" کے نام سے پکارتے ہیں۔ اسی صورتِ حال سے متنفر ہونے کے بعد نئی پارٹی کی تشکیل میں کامیاب ہوتے ہیں۔ اب نئی نسل کی توجہ کا مرکز بن رہے ہیں۔ یہی بات این ڈی پی والوں کو پسند نہیں چنانچہ افراسیاب کے حال کی بغاوت نے ان سے ان کے ماضی کے کارنامے بھی چھین لیے ہیں اور اب کھیل کر تنقید کی زد میں آتے ہوتے ہیں۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ تنقید انہیں ابھارنے کا سبب بن رہی ہے ڈبونے کا نہیں۔

عبدالغفار خاں نے چارسدہ میں اپنی ۴۵۴ کنال نہری اراضی پختون قوم کے نام عطیہ کرنے کے بعد پختون ٹرسٹ کے حوالے کر دی۔ اسی طرح پشاور میں سردریاب کے علاقے کی زمین بھی پختون ٹرسٹ کے حوالے کر دی گئی۔ سردریاب کی اس زمین کے بارے میں لوگوں میں عجیب عجیب باتیں گشت کر رہی ہیں۔ کہتے ہیں کہ سرخ پوش تحریک کے دوران باچا خان کی کانگریس دوستی کے جذبے کے تحت ان کے مریدان باصفا نے یہ زمین آشرم تعمیر کرنے کے لیے دی تھی۔ اس کی بنیادیں بھی کھڑی کر دی تھیں۔ لیکن بابڑہ فائرنگ کے واقعے کے بعد انتظامیہ نے اس کی بنیادیں گرا دی تھیں۔ اور چالیس برس سے غفار خاندان اس زمین پر کاشت کر رہا تھا۔ سردریاب کی یہ زمین اور چارسدہ کی زمین کو جس ٹرسٹ کے سپرد کیا گیا ہے۔ وہ کب بنا، اس کے ٹرسٹی کون ہیں۔ اس کا بڑا مقصد کیا ہے۔ اس سے لوگوں کو دلچسپی نہیں۔ اگر لوگوں کو دلچسپی ہے۔ تو چارسدہ کے اس پرائمری سکول کی عمارت سے جو غفار خاندان کی ملکیت ہے اور اب محکمہ تعلیم کو کرایہ پر دے رکھا ہے۔ اور جس کو عطیہ کرنے کے بعد گاؤں کے لوگ اس سے فیضیاب ہو سکتے ہیں۔

کسان کانفرنس کا تجزیہ

محمد ارشد
جنرل سیکرٹری دیہاتی
محنت کش محاذ

کانفرنس میں کسانوں کی نمائندگی جاگیرداروں نے کی

پیداواری لاگت کم کرنے کے لئے کھاد، بجلی، آبیانے اور بیج کی قیمتیں کم کیوں کی جاتیں

۶ جنوری سے اسلام آباد میں ہونے والی کسان کانفرنس تاریخی اہمیت کی حامل ہے۔ اس لیے کہ ملک میں پہلی مرتبہ جاگیرداروں اور افسر شاہی نے برسرِعام ایک اکٹھ منعقد کیا ہے۔ دیہاتی محنت کش محاذ بہت سالوں سے جاگیردار افسر شاہی گٹھ جوڑ مردہ باد کا نعرہ بلند کر رہا ہے۔ لیکن وہ نعرہ ہم اس خفیہ گٹھ جوڑ کے حوالے سے لگاتے تھے جس کے ذریعے جاگیردار چوہدری خان وڈیرے اور سردار پولیس اور محکمہ مال کے ساتھ مل کر پاکستان کے ہر گاؤں میں قانون کی دھجیاں بکھیرتے ہیں۔ ہمیں ابھی تک سمجھ میں نہیں آیا کہ جاگیرداروں اور افسر شاہی کے اسلام آباد میں ہونے والے اس اکٹھ کو کیا نام دیں۔ محسوس نہیں کی گئی لیکن اس کانفرنس میں ہونے والی چند باتیں جو اخبارات میں سامنے آئی ہیں وہ یہ ہیں۔

جیسا کہ جنرل ضیاء نے اس "کسان" کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان کی اسی فیصد آبادی کا انحصار زراعت پر ہے"۔ اس کانفرنس کے فیصلے اور نوعیت ملک کی عظیم ترین اکثریت سے متعلق ہیں۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ یہ وہ اسی فیصد آبادی ہے جس کا ذکر آپ اخبارات میں شاذ و نادر ہی پڑھتے ہیں۔ ہمارے ملک کے اخبارات کے لیے ڈکیتی تشدد آمریت بھوک اور تعلیم وغیرہ کے مسائل صرف بیس فیصد شہری آبادی کے مسائل ہیں۔ روزگار کا مسئلہ بھی شہروں تک ہی محدود ہے۔ چنانچہ بچوں کے نصاب کی کتابوں میں بھی گاؤں کا تصور اچھی آب و ہوا لہلہاتی فصلوں اور پرسکون ماحول کا ہی پیش کیا جاتا ہے۔ پھر یہ کسان کانفرنس کر کے اسی فیصد آبادی کا کونسا مسئلہ اٹھایا جا رہا ہے۔ اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ کسان کانفرنس کے نام پر گنتی کے چند بڑے جاگیرداروں کے مطالبے پورے کیے جائیں۔

مارشل لاء کے دور میں ہونے والی اس کسان کانفرنس کی تفصیلی تجاویز تو عوام کے سامنے پیش کرنے کی ضرورت

۱۔ اناج کی قیمتوں میں اضافہ کیا جائے۔
۲۔ زرعی انکم ٹیکس ہرگز نہ لگایا جائے۔
۳۔ صوبوں کے درمیان پانی کی تقسیم کا مسئلہ حل کیا جائے۔
۴۔ جاگیرداروں پر انکم ٹیکس ختم کرنے سے جو گھاٹا پڑے وہ حکومت پچیس (۲۵) ایکڑ سے چھوٹے مالکان پر از سر نو مالیہ لگا کر پورا کرے۔

حکومت نے کسان کانفرنس کو مندرجہ ذیل یقین دہانیاں اپنی طرف سے کروائیں :۔

۱۔ اناج کی قیمتوں میں اضافہ کیا جائے گا۔
۲۔ زرعی انکم ٹیکس لگانے کا فیصلہ منسوخ کر دیا گیا ہے۔ اس بارے میں پھر کبھی غور ہو گا۔
۳۔ مزید زرعی اصلاحات نہیں کی جائیں گی۔

کسان کانفرنس کی سفارشات اور حکومت کی یقین دہانیوں کو دیکھ کر "کسان کانفرنس" کی نوعیت کا آپ خود فیصلہ کریں۔

کسان کانفرنس نے جاگیرداروں کی نمائندگی کی

اناج کی قیمت بڑھانا دیہات کی عظیم اکثریت اور چھوٹے کسانوں کا ہرگز مطالبہ نہیں۔ دیہات کی نوے فیصد آبادی یا تو بے زمین ہے یا پھر گزارہ یونٹ سے کم کی مالک۔ جو شخص خود اپنی سال بھر کی ضرورت کے برابر اناج بھی پیدا نہیں کرتا۔ وہ اناج میں اضافہ کا مطالبہ کیونکر کر سکتا ہے۔ منڈیوں میں جو جنس فروخت ہوتی ہے وہ اکثر و بیشتر امیر کسانوں اور جاگیرداروں کا حصہ ہے جو وہ خود پیدا نہیں کرتے مزارعین کا اٹھا لاتے ہیں۔ جہاں تک شہروں کا تعلق ہے تو یہاں سو فیصد لوگ اناج خرید کر کھاتے ہیں اور اس کی قیمت میں کمی چاہتے ہیں اضافہ نہیں تو پھر یہ قیمت کس لیے بڑھائی جا رہی ہے۔

کپاس روئی اور گنے کی قیمت میں اضافہ کے بعد کپڑا چینی شربت ادویات غرضیکہ بے شمار اشیا کی قیمتوں میں اضافہ ہو گا۔ چنانچہ اگر کسی چھوٹے کسان کو کپاس گنا آلو اور پیاز کی قیمتیں بڑھنے سے معمولی فائدہ ہو گا بھی تو اس سے زیادہ نقصان اسے شہری سرمایہ دار کے ہاتھوں اٹھانا پڑے گا ہر صورت میں فائدہ بڑے جاگیردار اور بڑے سرمایہ داروں کو ہو گا۔

قیمتوں میں اضافہ کے لیے دوسرا جواز بین الاقوامی قیمتیں پیش کیا گیا ہے۔ تو بین الاقوامی قیمتیں جواب تقریباً ہمارے ملک کی قیمتوں کے برابر ہیں۔ ہمارے ملک کے عوام کی قوتِ خرید سے کیا مطابقت رکھتی ہیں۔

تیسرا جواز پیداواری رائٹ پیش کیا گیا ہے تو اس کا حل پیداواری رائٹ کم کرنا ہے۔ نہ کہ قیمتیں بڑھانا حکومت کھاد، ٹیوب ویلوں کے لیے بجلی اور نہری ٹیوب ویلوں کے پانی کی قیمت اور بیج کیڑے مار دواؤں وغیرہ کی قیمت کم کر دے تو پیداواری لاگت بھی کم ہو سکتی ہے لیکن یہ کرنے سے سامراجی مفادات اور بڑے سرمایہ داروں کے مفادات پر زد پڑتی ہے۔ بجلی اور آبپاشی کے پانی کی قیمت کم کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ واپڈا کی رشوت خوری، ٹیوب ویل نصب کرنے والے محکموں اور غیر ملکی فرموں کی لوٹ کھسوٹ اور محکمہ نہر کے افسروں کی لاکھوں روپیہ ماہانہ آمدنی کو بند کیا جائے۔ لیکن ظاہر ہے کسان کانفرنس میں شامل افسر شاہی کو یہ پہلو تو بالکل نظر ہی نہیں آتے۔

زرعی انکم ٹیکس کیوں منسوخ کیا گیا

زرعی انکم ٹیکس کے فیصلے کو فوری طور پر منسوخ کر دیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ بعد میں اس پر غور ہو گا۔ چنانچہ اسے اب ہم مستقلاً منسوخ ہی سمجھ سکتے ہیں۔ اخبارات کے مطابق کسان کانفرنس نے انکم ٹیکس ختم کرنے کا مطالبہ انتہائی شد و مد سے پیش کیا۔ اور حکومت بھی اسقدر تیار تھی کہ کانفرنس ہونے

سے قبل ہی یہ مطالبہ تسلیم کر لیا گیا۔

اندازہ کیجئے کہ پاکستان میں آج بھی جاگیرداروں کی حکمرانی اس قدر مضبوط ہے کہ کوئی ان کی مفت آمدن پر بھی ٹیکس لگانے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ شہروں میں چھوٹے چھوٹے دکاندار، کاروباری اور ملازم پیشہ افراد بھی حکومت کو ٹیکس ادا کرتے ہیں لیکن غداری کے عوض جاگیریں حاصل کرنے والے اور مفت کی کمائی پر پلنے والے جاگیرداروں کو انکم ٹیکس سے کھلی چھٹی اور عام معافی ۔۔۔ اس ملک کے قوانین کون بناتا ہے۔ کس کے فائدے میں بنتے ہیں۔ ہم کیا نتیجہ اخذ کریں۔

زرعی انکم ٹیکس دیہات کی پچانوے فیصد سے زائد آبادی پر نہیں لگتا تھا۔ ان کا تو مطالبہ ہے کہ پولیس فوج اور افسر شاہی کے دوسرے محکمے چلانے کے لیے کچھ رقم جاگیرداروں سے بھی وصول کی جائے۔ سارے کا سارا بار عوام پر نہ ڈالا جائے۔

زرعی انکم ٹیکس ختم کرنے کے مطالبے کے ساتھ ہی "کسان کانفرنس" نے دوسری لاجواب سفارش یہ کی اس طرح حکومت کو جو گھاٹا پڑے گا وہ پچیس ایکڑ سے بارہ ایکڑ تک رقبہ رکھنے والے کسانوں پر ازسر نو عالیہ لگا کر پورا کر لیا جائے یعنی بڑے جاگیرداروں کا زرعی ٹیکس معاف کر کے چھوٹے مالکوں پر ٹیکس لگا دیا جائے کیسی اعلیٰ تجویز ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس کسان کانفرنس" میں جہاں دیہات کی عظیم اکثریت غریب کسان مزارعین، دستکار اور کھیت مزدوروں کے نمائندے موجود نہ تھے۔ وہاں چھوٹے زمینداروں اور درمیانے کسانوں کے نمائندے بھی موجود نہ تھے۔ ورنہ وہ جاگیرداروں کا ٹیکس اپنے اوپر منتقل کرنے کی تجویز پیش نہیں کر سکتے تھے

صوبوں کے درمیان پانی کی تقسیم کا مسئلہ

یہ درست ہے کہ اس سلسلے کو منصفانہ طور پر حل ہونا چاہیئے۔ لیکن یہ مسئلہ کون حل کرے گا۔ کہ یہ چوہدری، ملک خان، وڈیرے اور سردار آپس میں مل بیٹھ کر طے کریں گے۔ یہ لوگ کبھی انصاف نہیں کرتے۔ ان کے درمیان بندر بانٹ کا اصول صرف ان کی طاقت ہے۔ جہاں تک غریب کسانوں کا تعلق ہے تو وہ اس مسئلہ سے متعارف ہی نہیں کروائے جاتے۔ چہ جائیکہ ان کی رائے طلب کی جائے۔ اس وقت یہ مسئلہ صرف بڑے جاگیرداروں کا مسئلہ ہے۔ عوام کو تو اپنی فصل کے لیے پانی چاہیئے اور وہ کسی دوسرے کا حق مار کر یہ حاصل نہیں کرنا چاہتے۔

آئندہ زرعی اصلاحات نہیں کی جائیں گی

جنرل ضیاء الحق نے کسان کانفرنس کے آخری اجلاس میں بعد نماز عشاء یہ اعلان کیا "مزید زرعی اصلاحات نہیں کی جائیں گی"۔ چنانچہ حکومت نے جاگیرداروں کا یہ مطالبہ پیش کیے جانے کے بغیر ہی قبول کر لیا۔ ظاہر ہے کھلم کھلا ایسا مطالبہ کرنے کی جرأت تو کانفرنس میں شامل ہونے والے جاگیردار اور بڑے افسر بھی نہ کر سکے۔

کیا کوئی شخص ہے کہ پاکستان میں جو اس بات سے انکار کرے کہ بڑے جاگیرداروں نے اپنی جاگیریں اور زمینیں انگریز حکمرانوں سے مادر وطن سے غداری کے عوض وصول کی تھیں ۔۔۔ ان جاگیرداروں کو تو آج سے اکتیس برس پہلے پاکستان بنتے ہی ضبط کر لینا چاہیئے تھا۔ پھر ان جاگیروں کے تحفظ کی یقین دہانی آج کیوں اور کیسے کروائی جا رہی ہے؟؟

پٹ فیڈر بلوچستان میں جاگیرداروں نے کسانوں کا وسیع قتل عام کیا۔ مقامی آبادی کا کہنا ہے کہ بلوچستان پولیس اور کنسٹیبلری بھی حملہ آوروں کی پشت پناہی کے لیے موجود تھی اور قاتل جاگیردار آزاد گھوم رہے تھے۔

شاہ پور سرگودھا میں افسر شاہی جاگیردار گٹھ جوڑ دھڑا دھڑ بے دخلیاں کروا رہا ہے۔ چارسدہ میں پولیس کی نگرانی میں بے دخلیاں کروائی گئیں۔ ڈیرہ غازی خان میں پولیس نے گاؤں کی عورتوں کو ننگا کر کے نچوایا۔ انہیں کالا باغ کے جاگیرداروں کے ہاتھوں تشدد اور اغوا کے بے شمار واقعات بھی نظر نہیں آئے اور نہ انہوں نے زرعی اصلاحات پر عمل درآمد کا مطالبہ کیا۔ کسان کانفرنس نے ان اور بے شمار دوسرے واقعات میں کسی ایک کا بھی نوٹس نہیں لیا۔ کسان کانفرنس کے مندوبین اپنا سارا زور جاگیرداروں پر انکم ٹیکس معاف کروانے پر خرچ کرتے رہے اور بے شک انہوں نے کامیابی حاصل کی۔

نوکھر کسان کانفرنس کا حشر

دیہات محنت کش محاذ نے بھی ۱۹۷۵ء میں نوکھر ضلع گوجرانوالہ کے مقام پر ایک کسان کانفرنس منعقد کی تھی جس میں پنجاب کے ۱۹ اضلاع کے نمائندے شامل ہوئے تھے۔ اس کانفرنس نے محب وطن غریب دیہاتی عوام کے مسائل کی نشاندہی کی تھی۔ پولیس نے پرامن اور قانونی اجتماع پر حملہ کر دیا۔ کسانوں پر حملہ کیا اور پچاس سے زائد گرفتاریاں کیں۔ گرفتار ہونے والوں میں کسان راہنما دانشور، پروفیسر آرٹسٹ مزدور اور طالب علم میں شامل تھے۔

۱۹۷۷ء کی تحریک کے دوران قتل کرنے والوں، زندہ جلانے والوں، بینک لوٹنے والوں اور لوٹ مار کرنے والوں کے خلاف بھی مقدمات واپس لے لیے ہیں لیکن دیہات کے اصل مسائل اٹھانا اور پاکستان کی مظلوم دیہاتی اکثریت کی بات کرنا اصل سنگین جرم ہے۔ بھٹو حکومت جس کے دور میں نوکھر کسان کانفرنس پر تشدد ہوا۔ اور کس بنا رخصت ہو چکی ہے۔ لیکن حکمران طبقات تو وہی ہیں۔

تو یہ ہیں دو کسان کانفرنسیں اور دو قسم کے نقطہ نظر کسانوں کے مسائل کے بارے میں اور دو قسم کا سلوک کسان کانفرنسوں سے ۔ اصلی اور جعلی کے درمیان آپ خود تفریق کر لیں۔

اب آیئے دیہاتی آبادی کی زبردست اکثریت کے ان مسائل کی طرف جن کی نشاندہی نوکھر کسان کانفرنس میں کی گئی۔

پاکستانی دیہات میں دو قسم کے مسائل ہیں۔

پہلی قسم کے مسائل غربت، بیروزگاری، روٹی کپڑا اور مکان تعلیم کے ہیں۔ بہت سے علاقوں میں پینے کے پانی کا مسئلہ بھی انتہائی شدید ہے۔ پھر مسئلہ بیج کھاد ادویات اور فصلوں کے لیے پانی کا ہے۔ دوسری قسم کے مسائل جاگیرداری نظام، چوہدری خان وڈیروں اور سرداروں کے تشدد بدمعاشی اور غیر قانونی حرکات اور ان کے ساتھ پولیس اور محکمہ مال کے گٹھ جوڑ کے ہیں۔ اس میں چوری، رسہ گیری، اغوا، جھوٹے مقدمات بے دخلی اور قتل و غارت شامل ہیں۔ دوسری قسم کے مسائل اصل جڑ ہیں اور انہیں حل کیے بغیر غربت، روزگار اور ضروریات زندگی کے مسائل حل نہیں ہو سکتے۔

دیہی علاقے کی ترقی کی راہ میں جاگیرداری نظام سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ اس نظام کے تحت ایک چھوٹا سا غیر حاضر طبقہ ملک کی بیشتر زمین کا مالک بن بیٹھا ہے۔ پاکستان میں کاشت ہونے والی زمین کا ایک تہائی حصہ صرف ایک فیصد مالکوں کے پاس ہے۔ چھوٹے مالکان کی عظیم اکثریت کے پاس گذارہ یونٹ سے کم زمین ہے۔ جبکہ مزارع، کھیت مزدور اور دستکاروں کی اکثریت کے پاس کوئی زمین نہیں۔ یہ خوراک اور روزگار کے لیے مکمل طور پر مالکان کے محتاج ہیں۔ جاگیرداروں کا چھوٹا سا گروہ جس کے قبضے میں زمین کا بڑا حصہ ہے خود محنت نہیں کرتا اور زمین کی کاشت کا کام مزارعین اور کھیت مزدوروں سے کرواتا ہے اور ان کی پیدا کی ہوئی دولت میں گھر بیٹھے بڑا حصہ دار بن جاتا ہے۔ جاگیردار کو بٹائی دینے کے بعد بیشتر مزارعین کے پاس اتنا بھی نہیں بچتا کہ سال بھر کا خرچ پورا کر سکیں۔ ضروریات پوری کرنے کے لیے ان کو قرضہ لینا پڑتا ہے اور اس رقم کو پھر جاگیردار کبھی ادا نہیں ہونے دیتا۔ مزارعین کا نہ گھر اپنا ہوتا ہے اور نہ زمین گھر میں بیماری آ جائے تو دوائی کے لیے پیسے نہیں ہوتے۔

بے دخل کر دیئے جائیں تو سر چھپانے کو جگہ نہیں ملتی بغرضیکہ غلہ پیدا کرنے والے خود ہی اس کے لیے ترستے ہیں۔

مزارعین اور غریب کسانوں کی محتاجی سے فائدہ اٹھا کر جاگیردار ان سے ہر چھوٹا بڑا جائز اور ناجائز کام اور خدمت کرواتے ہیں۔ لیپا پوتی سے لے کر ہر قسم کی بیگار مزارعین کو کرنا پڑتی ہے۔ اگر کوئی مزارع انکار کرتا ہے تو جاگیردار اس کو تشدد، چوری، بیدخلی، ان کی عورتوں پر ظلم اور قتل کا نشانہ بناتے ہیں۔ مزارعین اور غریب کسانوں کی پیدا کی ہوئی دولت جاگیردار کاروں، گھوڑوں، شراب و شکار اور عیاشی کے دوسرے سامان پر لٹاتے ہیں جو سامراج مہیا کرتا ہے۔

غریب عوام کی پیدا کردہ دولت کا ایک حصہ جاگیرداروں کے ہاتھ سے افسر شاہی کی جیب میں منتقل ہوتا ہے۔ تھانیدار کے گھر بھینس، اس کی سواری کے لیے کار، اس کے گودام میں دانے جاگیردار مہیا کرتے ہیں۔ پولیس اور محکمہ مال کے افسر نقد رقم اور سہولتوں کے عوض دیہاتی آبادی کو جاگیرداروں کے کنٹرول میں رکھنے میں مدد دیتے ہیں۔ اور ان کی من مانی کارروائیوں اور غیر قانونی حرکات سے نہ صرف چشم پوشی کرتے ہیں بلکہ جاگیردار جس شخص کو چاہے تھانیدار سے جوتے لگوا سکتا ہے۔ تشدد کروا سکتا ہے یا جھوٹے مقدمات میں گرفتار کروا سکتا ہے۔

دیہات میں ترقی نہ ہونے کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ دیہات میں جن لوگوں کے پاس فاضل زمین ہوتی ہے وہ اسے پیداوار بڑھانے یا روزگار پیدا کرنے پر خرچ نہیں کرتے۔ بلکہ عیاشی پر اڑاتے ہیں جبکہ عظیم اکثریت کی فاضل پیداوار سب نچوڑ لی جاتی ہے۔ اور ان کے پاس اتنے وسائل بھی نہیں رہتے کہ وہ اسے زمین یا کاشتکاری پر خرچ کر سکیں۔ یا کوئی چھوٹا موٹا فاضل کاروبار شروع کر سکیں۔ دیہاتی عوام کی عام فاضل پیداوار مختلف طریقوں سے جاگیرداروں افسر شاہی اور سامراج کی جیب میں چلی جاتی ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ دیہات کے عوام آزاد نہیں، جاگیرداروں کے چنگل میں پھنسے ہوئے ہونے کی وجہ سے وہ اپنی انفرادی قوت کو اجتماعی فیصلے کے تحت استعمال نہیں کر سکتے۔ انفرادی طور پر اگر مزارع کو روزگار کا تحفظ ہی نہ ہو تو وہ زمین کی حالت بہتر بنانے یا پیداوار بڑھانے میں دلچسپی نہیں لے سکتا۔

پیداوار بڑھانے کے سلسلے میں روزنامہ مساوات میں فروری کے دوران شائع ہونے والے دو مغربی محققین فرانس مورلاپے اور جوزف کولنز کے تحقیقی مضمون کے مندرجہ ذیل نتائج قابل غور ہیں۔ محققین کے مطابق بین الاقوامی سطح پر ٹھوس حقائق کا مطالعہ یہ ثابت کرتا ہے کہ تیسری دنیا کے ممالک میں زرعی پیداوار میں کمی اور بھوک کی وجہ وہاں کا معاشرتی اور زمین کی ملکیت کا ڈھانچہ اور سامراج ہیں۔ اگر سامراجی مداخلت ختم کر دی جائے اور زمین جیہڑا اواہوسے اوہی کھاوسے کے اصول پر تقسیم کر دی جائے تو تیسری دنیا کا ہر ملک خوراک کے سلسلے میں فوری طور پر خود کفیل ہو سکتا ہے۔ فرانس مورلاپے اور جوزف کولنز کے اپنے الفاظ:

۱۔ دنیا میں کوئی ملک ایسا نہیں جہاں کے لوگ اپنے وسائل کو کام میں لا کر اپنی روٹی پوری نہ کر سکتے ہوں بشرطیکہ انہیں ایسا کرنے دیا جائے۔ کسی بھی ملک سے بھوک کا تدارک کرنے کے لیے۔ وہاں کی زراعت میں ٹیکنیک پر زور دینے کی بجائے وہاں کے سماج میں معاشی رشتوں اور وسائل کی تقسیم کو مساوات اور عدل کی بنیادوں پر استوار کرنا ضروری ہے۔

۲۔ وسائل کی تقسیم میں عدم مساوات اور افراط و تفریط ترقی کی راہ کا سب سے بھاری پتھر ہیں۔

۳۔ پھیلتی ہوئی بھوک کا خطرہ ان مٹھی بھر اجارہ داروں کی طرف سے ہے جو پس ماندہ اور صنعتی ممالک کے خوراک کے وسائل پر بین الاقوامی اجارہ داریاں بنا رہے ہیں۔

۴۔ زرعی دنیا میں زرعی عمل کا اولین مقصد لوگوں کے

غداری کے عوض جاگیریں پانے والوں کی آمدنی پر کوئی ٹیکس نہیں

لیے روٹی پیدا کرنا ہونا چاہیئے۔ نہ کہ تجارتی فصلیں پیدا کر کے زرمبادلہ کمانا۔

۵۔ بھوک سے نجات کا واحد راستہ یہ ہے کہ پیداواری وسائل اور پیداوار کا اختیار تمام تر لوگوں کے اپنے ہاتھ میں ہے۔

اگر پچھلے دنوں اسلام آباد میں ہونے والی سرکاری کسان کانفرنس کا مقصد ملک میں زرعی پیداوار بڑھانے اور ملک کو خوراک میں خود کفیل کرنے کی طرف ایک قدم تھا تو نام نہاد کانفرنس نے اس پر کوئی توجہ نہیں دی۔

اس صورتحال کو سامنے رکھتے ہوئے کسانوں میں سرگرم عمل دیہاتی محنت کش محاذ نے اپنی پالیسیاں مرتب کی ہیں محاذ نے جدوجہد کے لیے جن فوری مسائل کو اہمیت دی ہے یہ ہیں:

- بٹ فیڈر میں کسانوں کا قتل عام کرنے والے جاگیرداروں کو گرفتار کرو اور پھانسی دو۔
- ڈیرہ غازیخان میں سارے گاؤں کی عورتوں کو ننگا نچوانے والے پولیس افسروں کو عبرتناک سزا دی جائے۔
- سرگودھا اور دوسرے اضلاع میں رشوت لے کر مزارعین کی بے دخلیاں کرنے والے محکمہ مال کے افسروں کو برطرف کیا جائے۔
- صوبہ سرحد میں ریاستی سطح پر کسانوں کی بیدخلیاں کرنے کا سلسلہ بند کیا جائے۔ نام نہاد قانونی اور غیر قانونی ہر قسم کی بے دخلیاں بند کی جائیں۔
- رسہ گیر اور بدنام زمانہ جاگیرداروں پر مشتمل مصالحتی کمیٹیاں بنانے کا سلسلہ بند کیا جائے۔
- دیہات میں بے زمین افراد کو اپنے مکانوں کے لیے پانچ پانچ مرلے زمین الاٹ کرو۔
- کھیت مزدور، دستکار، مزارع، غریب کسانوں پر مشتمل کمیٹیوں کو پولیس اور محکمہ مال کا احتساب کرنے اور سزا دینے کا حق دیا جائے۔
- محکمہ مال اور پولیس کے رشوت خور افسروں کا محاسبہ کیا جائے۔
- دیہات کے عوام کو جلسے جلوس اور مظاہرے کا حق دیا جائے۔
- انگریزوں سے غداری کے عوض حاصل کردہ تمام جاگیریں فوراً ضبط کی جائیں۔ اور مزارعین میں تقسیم کی جائیں۔
- کالاباغ کے جاگیرداروں کو اغوا قتل اور تشدد کے بے شمار جرائم میں گرفتار کر کے سزا دو۔
- کالاباغ اور دوسرے جاگیرداروں پر زرعی اصلاحات کا اطلاق کر کے قانونی تقاضے پورے کیے جائیں۔
- مزارعین کو بیج مالیہ کے قانونی حقوق دلوائے جائیں۔
- ۱۲ ایکڑ سے کم کے مالکوں سے آبیانہ وصول نہ کیا جائے
- درمیانے کسانوں سے بھی آبیانہ صرف اسی صورت وصول کیا جائے جب پانی مہیا کیا جائے۔
- واپڈا کی رشوت خوری ختم کر کے ٹیوب ویل چالو کیے جائیں۔
- محکمہ نہر کے افسروں کی رشوت خوری اور دھاندلی ختم کی جائے۔
- کھاد، کیمیائی ادویات اور بیج کی قیمتیں کم کرو۔
- بنیادی اشیاء کی قیمتیں کم کرو۔ آٹا، چینی، گھی، کپڑا ایندھن ٹرانسپورٹ سستی کرو۔
- دیہی آبادی کو روزگار مہیا کرو۔ ٹریکٹر منگوا کر دیہات میں بے روزگاری مت پھیلاؤ۔
- چھوٹے مالکان کو بلا سود قرضہ فراہم کرو۔

جانا پہچانا - آزمایا ہوا

ٹریٹ بلیڈ

سال ہا سال سے آپ کی طرح لاکھوں افراد
ٹریٹ بلیڈ سے صاف ستھرا اور آرام دہ شیو
کر رہے ہیں اور اس کے اعلیٰ معیار سے
مطمئن ہیں۔

بلیڈ سازی کا ہمارا وسیع تجربہ آج کی طرح کل بھی ٹریٹ بلیڈ کے اعلیٰ معیار کی ضمانت ہے۔

PRESTIGE TB. 74.2.78

جماعت کے کارکن سرکاری مخبری کے فرائض انجام دے رہے ہیں

شبیہہ احسن

جماعت اسلامی کے ایک بڑے رہنما نے گزشتہ دنوں ایک ملاقات کے دوران فرمایا تھا کہ "مسٹر بھٹو کی حمایت میں ہونے والے اور دیگر عوامی مظاہروں کی اب ہر سطح پر مزاحمت کی جائے گی۔ اس سلسلے میں جماعت کے کارکن "جماعتی فریضہ" ادا کریں گے۔ ہم نے سارے خوف اور مصلحتوں سے بے نیاز ہو کر مشرقی پاکستان میں قومی کردار ادا کیا ہے۔ ایک بار پھر پاکستان میں وہی کردار ادا کرنے پر تیار ہیں۔ چاہے حق و باطل کی معرکہ آرائی میں ہماری گردنیں کٹ جائیں"۔

اس میں ایک لفظ بھی مبالغہ سے ادا نہیں کیا گیا ہے۔ جماعت اسلامی کے رہنما نے اپنی شیریں مقال سے جو کچھ فرمایا ہو بہو نقل کر دیا۔ تاکہ ان کے الفاظ کی روشنی میں ان دنوں جماعت اسلامی اور اس کے کارکنوں کے کردار اور سرگرمیوں کی ٹھیک ٹھیک نشاندہی کی جا سکے۔ مخبری تو ان کی گھٹی میں پڑی ہوتی ہے۔ اب تو یہ راز نہیں رہا کہ ان دنوں پکڑ دھکڑ میں جماعت اسلامی کے کارکن تھانوں میں مخبر کا کام انجام دے رہے ہیں۔ گزشتہ دنوں کی بات ہے۔ ہمارے ایک دوست کے مکان میں رات کے ۲ بجے پولیس پہنچی۔ کنڈی کھٹکھٹائی گئی۔ اس نے اٹھ کر دروازہ کھولا تو سامنے تھانے کے ایس ایچ او پولیس گارڈ کے ساتھ کھڑے چھڑی گھما رہے تھے۔ احوال معلوم کیا تو میرے دوست سے کہا گیا کہ تھانہ چلو وہیں بتائیں گے۔ چنانچہ اس غریب کو تھانہ لے جا کر لاک اپ میں بند کر دیا گیا۔ تقریباً تین بجے انچارج صاحب نے اسے اپنے کمرے میں بلوا کر ایک ہینڈ بل دکھاتے ہوئے سوال کیا۔ "یہ تم نے چھپوایا ہے"۔؟

"جی نہیں۔ اس سے میرا کیا تعلق"۔

"تم پڑھے لکھے معلوم ہوتے ہو"۔ انچارج نے دھمکی دیتے ہوئے کہا۔

"پڑھے لکھے ہونے کا یہ مطلب تو نہیں کہ یہ کام میں نے کیا ہے"۔

"خیر۔ خیر فلسفہ نہ بگھارو۔ یہ بتاؤ اگر یہ تمہاری شرارت نہیں تو پھر کس کی ہو سکتی ہے"۔

"یہ بھی مجھے نہیں معلوم۔ آخر یہ تو بتائیں کہ آپ یہ الزام مجھ پر کیوں لگا رہے ہیں۔ کوئی وجہ تو ہو گی آپ کے پاس"۔

"تھانہ انچارج نے پمفلٹ دکھاتے ہوئے جواب دیا۔ تمہارے مکان کی دوسری گلی میں مولانا ــــ رہتے ہیں ــ وہی یہ پمفلٹ لے کر یہاں آئے تھے اور تم پر شبہ ظاہر کیا تھا کہ چونکہ تم پڑھے لکھے اور شاعر ہو۔ اس لیے یہ کام تمہارا ہی ہو سکتا ہے"۔

میرے دوست نے اپنی صفائی میں دلیلیں اور حقائق پیش کیے تو اسے اس شرط کے ساتھ چھوڑا گیا کہ وہ ہر روز رات کے وقت تھانے آ کر حاضری دے گا۔ میرا شاعر اور معصوم دوست علاقہ کے امیر جماعت اسلامی کے حق میں آج بھی دست بہ دعا ہیں۔ نجانے جماعت اسلامی کے یہ کارکن اور تنخواہ دار ملازم کہاں کہاں اور کن کن معصوم لوگوں پر عذاب ڈھانے میں مصروف ہوں گے۔ اللہ تیری پناہ۔

پچھلے دنوں ترقی پسند اور لبرل طلبا تنظیموں کے رہنماؤں نے بتایا کہ جماعت کے مخبروں نے اپنی سرگرمیاں علاقوں، محلوں اور اسکولوں اور کالجوں تک بڑھا دی ہیں۔ ترقی پسند طلبا کو چن چن کر انتقام کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ ان کا ارادہ یہی ہے کہ طلبا تنظیموں کے انتخابات سے پہلے پہلے ترقی پسندوں کو جیلوں میں پہنچا دیا جائے۔ خاص طور پر کالجوں اور جامعہ کو تاڑا گیا ہے۔ پچھلے دنوں اچانک جامعہ کو گھیرے میں لے لیا گیا۔ یونین کے صدر محمود اللہ والا (کاش اس پر نام کا کچھ تو اثر ہوتا) کھلے طور پر جس جس کی نشاندہی کر رہا تھا اس کو اٹھا کر دین میں بٹھا لیا جاتا۔ یا حکم دیا جاتا کہ فلاں جگہ اتنے بجے حاضر ہو جاؤ۔ ہر دوسرے تیسرے روز جامعہ اور کسی نہ کسی کالج کو گھیرے میں لے کر تلاشی لی جاتی ہے۔ اور طلبا کو خوف و ہراس میں مبتلا کرنے کے لیے دھمکی دی جاتی ہے۔ ہوسٹل میں قیام کرنے والے طالب علم خاص طور پر جماعتوں کی مخبری کے ہاتھوں تنگ ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ برآمد ہو رہا ہے

کہ لڑکے ہوسٹل خالی کر کے ادھر ادھر پناہ گاہوں کی تلاش میں ہیں۔ اس صورتحال سے طلباء کی اکثریت میں افسردگی بے چینی اور خاموش لاوا پک رہا ہے۔ حالات نارمل بنانے کے دعویداروں کو یہ ضرور سوچنا چاہیئے کہ فرقہ پرست جماعت اسلامی اور اسلامی جمعیتہ طلبا کی اخلاق اور قانون سے تجاوز کر کے پشت پناہی انہیں کسی ایسے دلدل میں نہ پھنسا دے جس سے نکلنے کا کوئی راستہ ہی نہ ہو۔

شہروں اور محلوں اور جہاں جہاں جماعت اسلامی کے کارکن موجود ہیں۔ لوگوں میں یہی تاثر دے رہے ہیں کہ جنرل ضیا کی حکومت دراصل جماعت اسلامی کے ناقابل تردید اقتدار کے دن ہیں۔ اور سورج کبھی غروب نہ ہوگا. ظاہر ہے اس پراپیگنڈے سے جماعت اسلامی اور اس کے ہمدردوں کا محدود طبقہ ہی بغلیں بجا سکتا ہے۔ پھر ساتھ ساتھ وہ مخالفین کو "کچل دو، مار دو تباہ کر دو" کی درپردہ مہم بھی چلا رہے ہیں۔ ظاہر ہے عوام کی اکثریت نے نہ پہلے ان سے اتفاق سے کیا تھا اور نہ آج ان فاشسٹوں کے ساتھ ہے بلکہ اپنے فاسد عقائد اور مجنونانہ سرگرمیوں کی وجہ سے وہ عوام میں کل کی طرح آج بھی نامقبول اور اجنبی ہے —— یہ جماعت محلوں اور علاقوں میں سب سے الگ تھلگ ہے اور اپنے مخصوص سیاسی اور مذہبی عقائد کی وجہ سے کبھی بھی عوام میں گھل مل نہ سکی۔ ایسی صورت میں جب وہ دعویٰ کرتی ہے کہ اقتدار اور اختیارات عملاً اس کے پاس ہیں اور فوجی حکمران اس کی لائنوں پر چل رہے ہیں تو ظاہر ہے حکومت اور اس کے بارے میں عوام کی اکثریت کا نقطۂ نظر کیا ہوگا —؟

جماعت کے قریبی حلقوں سے پتہ چلا ہے کہ جماعت اسلامی کے کارکن اپنے پلان کو عملی جامہ پہنانے کے لیے خود پمفلٹ پوسٹر اور ہینڈ بلز تیار کر رہے ہیں۔ انہیں لوگوں میں گردش دے رہے ہیں۔ اور خود ہی علاقے کی پولیس اسٹیشنوں اور فوجی حکام کے پاس پہنچ کر اطلاع دیتے ہیں کہ فلاں تخریب کار نے حکومت کے خلاف یہ نفرت انگیز مواد شائع کیا ہے۔ اس طرح جماعت کے کارکن اپنے مخالفین کو ناکردہ گناہوں کی سزا میں گھر سے جیل پہنچانے کی "دینی خدمت" انجام دے رہے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ مکمل آپریشن کی تیاریاں شروع کر دی گئی ہیں۔

●

کراچی فڈکرز رابطہ کمیٹی

ٹریڈ یونینیں، صحافت اور معیشت جکڑی جا رہی ہیں

پاکستان مزدور رابطہ کمیٹی کی کنوینگ کمیٹی کا ایک اجلاس کراچی میں ۲۴، اور ۲۵ مارچ کو زیر صدارت جناب ضیاالدین بٹ منعقد ہوا جس میں لاہور کنونشن کے فیصلے کے بموجب ملک گیر بنیاد پر محنت کشوں کی تنظیموں کی ایک فعال اور مضبوط مرکزی رابطہ کمیٹی تشکیل کرنے کی خاطر ایک دوسرا نمائندہ کنونشن منعقد کرنے سے متعلق مسائل اور امور پر غور و خوض کے علاوہ مزدوروں ملازمت پیشہ افراد اور دیگر محنت کشوں کو درپیش بڑھتے ہوئے مسائل اور ان کے حل کرائے جانے سے متعلق امور کا تفصیلی جائزہ لیا گیا۔ اجلاس میں فیصلہ کیا گیا کہ ملک بھر کے محنت کشوں کو متحد کرنے اور انہیں فعال اور منظم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ان کی زیادہ سے زیادہ تنظیموں تک رسائی اور رضامندی ۱۵ اپریل تک حاصل کر لی جائے اور پھر ملک گیر کنونشن کی تاریخ کا اعلان کیا جائے نیز اس دوران

ڈاکٹر امیر احمد کی وضاحت

سندھ کے سابق وزیر ڈاکٹر امیر احمد نے اس خبر کی سختی سے تردید کی ہے کہ انہوں نے مولانا کوثر نیازی سے ملاقات کی اور ان سے قومی حکومت کے بارے میں تجویز پر گفتگو کی اور اس تجویز سے اتفاق کیا۔ ڈاکٹر امیر احمد نے کہا کہ مارشل لاء ضابطہ ۳۳ کے باعث اس وقت وہ صرف اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ ان کی مولانا کوثر نیازی سے کوئی ملاقات نہیں ہوئی اور نہ ہی کسی ایسی تجویز پر گفتگو ہوئی۔

محنت کشوں کو درپیش مسائل معاملات اور مطالبات کو حکومت کے نوٹس میں لانے اور ان کو بلا تاخیر حل کرانے کی اشد ضرورت پر زور دینے کے لیے تمام مزدور انجمنیں اپنے طور پر احتجاج کے تمام مسلمہ ذرائع اختیار کریں اجلاس نے ایک قرارداد منظور کی جس کا متن حسب ذیل ہے۔

پاکستان ورکرز رابطہ کمیٹی کی کنوینگ کمیٹی کا یہ اجلاس ملک بھر میں محنت کشوں کے خلاف حکومت اور سرمایہ داروں کی بڑھتی ہوئی انتقامی کارروائیوں پر اپنی گہری تشویش کا اظہار کرتا ہے ان مزدور دشمن سرگرمیوں میں ۱۶ مزدوری کے یوم جدوجہد کے بعد خصوصیت سے مزید اضافہ ہوا ہے مزدوروں کی چھانٹیاں اور برطرفیاں، ان کی گرفتاریاں اور ان کے خلاف مارشل لاء کے ضابطے کے تحت قید اور کوڑوں کی بہیمانہ سزاؤں کا سلسلہ جاری ہے۔ سرحد پنجاب، بلوچستان اور سندھ میں متعدد مزدور رہنماؤں اور ٹریڈ یونین کارکنوں کو گرفتار کر لیا گیا ہے کالونی ٹیکسٹائل ملز کے مزدوروں کے مطالبات کی تکمیل کے بجائے ان کی مجلس عمل کے چیئرمین اور دیگر ساتھیوں کو مارشل لاء عدالت سے قید اور کوڑوں کی سزائیں دی گئی ہیں۔ پٹ فیڈر کے کسانوں کی گرفتاریاں اور بے دخلیاں جاری ہیں۔ ٹیلیویژن یونین کے عہدیداروں اور سرگرم ارکان کی سزائیں واپس نہیں لی گئی ہیں۔ بنیک کے ملازمین اب تک سودا کاری کے حق سے محروم ہیں اور ان کی نصف دن کی چھٹی ختم کر دی گئی ہے ابلاغ عامہ کے ذرائع بالخصوص اخبارات کے خلاف مارشل لاء ضابطہ اور پریس آرڈیننس جیسے سیاہ قانون کا استعمال جاری ہے۔ مساوات کے تین ایڈیٹروں کو گرفتار کر لیا گیا ہے اور مساوات لاہور کے چھاپے خانے کو ضبط کر کے اس کی اشاعت بند کر دی گئی ہے جس سے تقریباً تین سو صحافی اور اخباری کارکن بے روزگار ہو گئے ہیں اختلاف کرنے والے اخبارات پر جرمانے سے ہزاروں بلکہ لاکھوں روپے کا زرضمانت طلب کیا جا رہا ہے۔ ایک طرف دعویٰ کیا جاتا ہے کہ ٹریڈ یونین سرگرمیاں آزاد ہیں دوسری طرف مزدوروں کے معمولی اجتماعات تک کو سیاسی قرار دے دیا جاتا ہے مزدور ہڑتال کے بنیادی حق سے بدستور محروم ہیں احتجاج کے اظہار کے تمام طریقوں پر مارشل لاء کے تحت پابندی ہے مہنگائی میں بدستور اضافہ ہو رہا ہے منافع خوری، چور بازاری اور ذخیرہ اندوزی کا سلسلہ جاری ہے اور ان بھیانک سماجی جرائم کا ارتکاب کرنے والوں کی کوئی گرفت نہیں کی جا سکتی۔ اس کے برعکس سیاسی بنیادوں پر مزدوروں، صحافیوں، اساتذہ اور فنکاروں کی تطہیر کی جا رہی ہے انصاف اور عدل کے دو پیمانے

اور دو معیار رائج کیے جا رہے ہیں، عدل گستری کو سیاسی بنیادوں پر استوار کیا جا رہا ہے۔ حکومت معاشی میدان میں ایسے اقدامات کر رہی ہے جس سے ملک میں سرمایہ دارانہ لوٹ کھسوٹ کی جڑیں مضبوط کی جا رہی ہیں اور ملک کی معیشت اور سماجی ڈھانچے کو سامراجی سرمایہ کا اور زیادہ تابع بنایا جا رہا ہے حکومت نے سرکاری شعبے میں شامل متعدد کارخانوں اور اداروں کو نجی سرمایہ داروں کو واپس کر دیا ہے جس کی تازہ ترین مثال کریمی انڈسٹریز کی ہے اور اب کارخانہ داروں کو مزدوروں کی غیر مشروط برطرفی کا حق دینے کے منصوبے بھی بنائے جا رہے ہیں مزدوروں کے علاوہ کسانوں، طلباء، دانشوروں کو حکومتی پالیسی سے اختلاف کرنے والے سیاسی کارکنوں اور محب وطن افراد کے خلاف انتظامیہ اور رجعت پسند عناصر فسطائی ہتھکنڈے استعمال کر رہے ہیں یہ اجلاس اس امر پر اپنے شدید غم و غصہ کا اظہار کرتا ہے کہ حکومت نے محنت کشوں کے مسائل کو حل کرنے کے لیے کوئی قدم نہیں اٹھایا ہے ان کے مطالبات اور شکایات پر کان نہیں دھرے گئے ہیں۔ سہ فریقی لیبر کانفرنس کے انعقاد کے بعد مزدوروں پر ظلم و تشدد اور ناانصافی میں مزید اضافہ ہوا ہے جس کی وجہ سے محنت کش طبقات میں بے پناہ بے چینی اور اضطراب پایا جاتا ہے یہ اجلاس اس امر پر اپنے اطمینان کا اظہار کرتا ہے کہ حکمران طبقوں کے ظلم و تشدد کے باوجود ملک بھر کے محنت کش اپنے جائز مطالبات کے لیے اپنی اپنی فیکٹریوں کھیتوں اور اداروں میں دلیرانہ جدوجہد کر رہے ہیں اور ملک بھر میں اپنے طبقاتی اتحاد کو مضبوط بنیادوں پر استوار کر رہے ہیں۔

ورکرز آرگنائزنگ کمیٹی

ورکرز آرگنائزنگ کمیٹی سندھ کا تیسرا اجلاس

ملتان * ناصر زیدی

حج کانفرنس کے انعقاد کی جگہ عین وقت پر کیوں تبدیل کی گئی

اسلامی جمعیت طلبا ترقی پسند طلبا کو گرفتار کرا رہی ہے

سابق وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کی سزائے موت پر ملک کے عوام نے جس طرح اپنے شدید ردعمل کا اظہار کیا ہے اس سے عوام کے رجحان کا پتہ چلتا ہے کہ وہ کیا چاہتے ہیں باوجود اس کے کہ ملک بھر سے ہزاروں کی تعداد میں کارکنوں کو پہلے ہی زنداں میں ڈال دیا گیا تھا لیکن عوام کے سیلاب کو سخت حفاظتی اقدامات بھی نہ روک سکے۔ ملتان میں فیصلے سے پہلے ہی تمام سرکردہ کارکنوں کو حراست میں لے لیا گیا تھا لیکن عوام نے اکا دکا واقعات کے ذریعے اپنے جذبات کا اظہار کیا سڑکوں پر ٹائر جلا کر ٹریفک بند کرنے کی کوشش کی گئی ایک دو جگہ کچھ لوگوں نے جمع ہو کر نعرے بھی لگائے۔ لوگوں کو تشدد پر اکسانے کے الزام میں ۸ افراد کو حراست میں لے لیا گیا۔ گورنمنٹ گرلز کالج کی طالبات نے کلاسوں کا بائیکاٹ کیا۔ اور کالج کی چار دیواری کے اندر مظاہرہ کیا طالب علموں کو چوڑیوں کا تحفہ پیش کیا گیا بظاہر صورتحال پرسکون ہے لیکن کشیدگی برقرار ہے کسی بھی لمحہ کچھ ہو سکتا ہے۔

پچھلے دنوں چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر کے مشیر برائے مذہبی امور حج کانفرنس میں شرکت کے لیے تشریف لائے پہلے کانفرنس کا انتظام نشتر میڈیکل کالج کے ہال میں کیا گیا تھا لیکن کانفرنس سے کچھ لمحہ پہلے ہی جگہ تبدیل کر دی گئی اور یہ کانفرنس کینال لاج میں منعقد ہوئی۔ پہلی جگہ تبدیل کرنے کی ضرورت اس لیے محسوس کی گئی کہ طالب علموں کی طرف سے گڑبڑ کا اندیشہ تھا کیونکہ کانفرنس ہال سے باہر ایک رات پہلے ہی تمام اطراف کی دیواروں پر "تخریب کاروں" نے بھٹو کے حق میں اور حکومت کے خلاف نعرے لکھ دیئے تھے جس سے یہ خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ کہیں "شر پسند" حج کانفرنس کو بھی "سیاسی ہلڑ بازی" کی آماجگاہ نہ بنا لیں۔ نشتر میڈیکل کالج کے طالب علم رہنماؤں کو خبردار کیا گیا ہے کہ وہ آئندہ ان واقعات کا اعادہ نہ ہونے دیں ورنہ ان کے خلاف سخت کارروائی کی جائے گی۔

این ایس ایف کے صدر حبیب اللہ شاکر کو فوجی عدالت نے چھ ماہ قید اور آٹھ کوڑوں کی سزا سنائی ہے ان پر الزام ہے کہ انہوں نے بہاولپور میں مارشل لاء کے خلاف تقریر کی ہے اس سزا کے خلاف طالب علموں میں شدید اضطرابی کیفیت پیدا ہو گئی ہے ترقی پسند طالب علموں کے خلاف کارروائی ایسے وقت میں شروع کی گئی ہے جبکہ کالجوں میں انتخاب قریب ہیں کیونکہ اس دفعہ کالجوں میں اسلامی جمعیت طلبہ کو سخت حالات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے نشتر میڈیکل کالج میں جمعیت کو ترقی پسند طالب علموں نے ذلت آمیز شکست دی ہے اور دیگر کالجوں میں جمعیت کو عبرتناک شکست کا سامنا ہے اس لیے رسوائی اور ذلت سے بچنے کے لیے جمعیت نے ایک منصوبے کے تحت انتظامیہ کا دم چھلا بن کر ترقی پسند طلباء کو گرفتار کروانا شروع کیا ہے تمام کالجوں میں ترقی پسند طالب علموں کی فہرستیں ضلعی انتظامیہ کو فراہم کی گئیں اور جمعیت کی ہدایت پر پولیس ترقی پسند طلباء کو مختلف جھوٹے الزامات میں گرفتار کر رہی ہے لاء کالج کے ممتاز طالب علم رہنما اور صدارت کے متوقع امیدوار اعجاز احمد مڈو کو سائیکل چوری کرنے کے الزام میں پولیس نے گرفتار کیا چودہ روز کا جسمانی ریمانڈ لیا گیا لیکن سائیکل چوری کرنے کا کوئی ثبوت فراہم نہیں کیا گیا اس لیے مجسٹریٹ نے مقدمہ خارج کر دیا۔ اور اس طرح چودہ دن حوالات میں رکھنے کے بعد انہیں چھوڑ دیا گیا۔ اسی طرح پیپلز اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے کئی عہدیداروں کو بھی تحفظ امن عامہ کے تحت نظر بند کر دیا گیا ہے اس تمام کارروائی کے پس پردہ یہی بات ہے کہ ہر صورت میں اسلامی جمعیت طلبہ کے امیدواروں کو کامیاب کرایا جائے۔ ایک طرف اسلامی جمعیت کے کارکنوں کو کھلی چھٹی دی گئی ہے کہ وہ جو چاہیں کریں دوسری طرف ترقی پسند کارکنوں کو ہر طرح سے ہراساں کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے یہ ساری صورتحال نفرت، گروہ بندی اور انارکی کی نشاندہی کرتی ہے اور اگر جانبداری، تعلیمی اداروں میں بھی روا رکھی گئی تو نتائج بھیانک نکل سکتے ہیں کیونکہ طالب علموں کی اکثریت یہ سمجھنے پر مجبور ہو گی کہ سول انتظامیہ بھی تعلیمی اداروں میں اسلامی جمعیت طلبہ کو ہر صورت میں جتوانا چاہتی ہے اس صورتحال کا تدارک ہونا چاہیئے حکومت کو اپنی پوزیشن واضح کرنی چاہیئے اور یہ صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہے، جب تمام گرفتار شدہ طالب علموں کو رہا کر دیا جائے اور جمعیت کی غنڈہ گردی کا سدباب کیا جائے۔

حیدرآباد میں منعقد ہوا۔ صدارت قائم مقام صدر محمد نقی نے کی۔ اجلاس میں تنظیمی امور پر غور کیا گیا اور موجودہ صورتِ حال کا تفصیلی جائزہ لیتے ہوئے آئندہ جدوجہد کا پروگرام مرتب کیا گیا۔

اجلاس میں اس بات پر تشویش کا اظہار کیا گیا کہ حکومت نے اعلان کیا تھا کہ لاک آؤٹ۔ لے آف اور چھانٹیوں اور ہڑتال پر پابندی ہے۔ لیکن عملاً صورتحال یہ ہے کہ سرمایہ داروں کو تالہ بندی، چھانٹیاں اور مزدوروں کی اجرتیں کم کرنے اور انہیں جائز اور قانونی مراعات سے محروم کرنے کی کھلی چھٹی ہے جب کہ محنت کشوں کو ہڑتال تو دور کی بات ہے۔ ان مزدور دشمن کارروائیوں کے خلاف بولنے تک کی اجازت نہیں ہے۔ سرکاری تحویل میں چلنے والے اداروں سے مارشل لاء ضابطہ ۲۵ کے تحت سینکڑوں ملازمین کو انتقامی کارروائیوں کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ دوسری طرف سرکاری تحویل میں لئے گئے کارخانوں بنکوں اور تعلیمی اداروں کو نجی مالکان کو واپس کرنے کے منصوبے پر عمل درآمد کیا جا رہا ہے اور ان اداروں سے بڑے پیمانے پر چھانٹیوں کا سلسلہ جاری ہے۔ اس کے علاوہ حال ہی میں ملتان میں مزدوروں کے بہت ہی معمولی معاشی مطالبات کو پورا کرنے کی بجائے مزدوروں کو ننگے تشدد کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ جس میں کئی مزدور شہید ہوئے اس کا افسوسناک پہلو یہ ہے کہ آج تک فائرنگ کے ذمہ دار افراد کو گرفتار نہیں کیا گیا۔ بلکہ محنت کشوں کے رہنما محمود نواز بابر، وصی محمد۔ امیر علی عبدالخالق کو اور دیگر کارکنوں کو مارشل لاء کے تحت بند کر دیا گیا ہے۔ مزدور رہنما غیاث الدین اور دیگر بے شمار کارکنوں کے خلاف مقدمات قائم کئے گئے ہیں۔ کراچی سے مزدور رہنما عزیز الحسن، محمد علی قادری، غلام حیدر، اقبال نیازی، چاچا وزیر اور ریاض کو مارشل لاء کے مختلف ضابطوں کے تحت گرفتار کیا گیا ہے۔ اس طرح پورے ملک میں گرفتاریوں کا سلسلہ جاری ہے۔ یہ بات انتہائی افسوسناک ہے کہ محنت کشوں کے رہنماؤں کو محنت کشوں کے جائز مطالبات کے حصول کے لئے جدوجہد کرنے کے جرم میں قید و بند اور کوڑوں کی سزائیں دی جا رہی ہیں۔ جب کہ چور، اسمگلر، ذخیرہ اندوزی کرنے والے اور لوٹ کھسوٹ کرنے والے سماج دشمن عناصر کے خلاف کوئی کارروائی عمل میں نہیں آئی

ورکرز آرگنائزنگ کمیٹی اس صورتِ حال میں یہ ضروری سمجھتی ہے کہ محنت کشوں کی مختلف تنظیمیں مندرجہ ذیل مطالبات کے حصول کے لئے متحد ہو کر مشترکہ پلیٹ فارم سے جدوجہد کو تیز کریں۔

۱: ملتان میں مزدوروں پر فائرنگ کی کھلی تحقیقات کرائی جائے۔ اور مغیث اے شیخ کو ملزم نمبر ۱ کے طور پر گرفتار کر کے مقدمہ چلایا جائے۔

۲: مزدور رہنما محمود نواز بابر، عزیز الحسن، محمد علی قادری، وصی محمد، عبدالخالق۔ اقبال نیازی۔ غلام حیدر ریاض۔ وزیر خان کو رہا کیا جائے۔ اور دیگر تمام مزدور رہنماؤں کے خلاف مقدمات ختم کئے جائیں

۳: پٹ فیڈر میں کسانوں پر تشدد کے ذمہ دار افراد کے خلاف کارروائی کی جائے اور گرفتار رہنماؤں عمردین۔ الطاف۔ رمضان۔ آصف رضوی، زبیدہ گھانگھرو اور دیگر کو رہا کیا جائے۔

بقیہ: اے کے بروہی

لئے دہلی میں فضا سازگار بنائیں۔ یہ منصوبہ چین کے خلاف تھا۔ بروہی صاحب تمام تر کوششوں کے باوجود اس مشن میں ناکام رہے۔ پنڈت نہرو نے مشترکہ دفاع کی تجویز مسترد کر دی۔ لیکن مسٹر بروہی یہ نہیں بتاتے کہ انہیں ہائی کمشنر کے عہدے سے کیوں ہٹایا گیا تھا۔ باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ مسٹر بروہی پنڈت نہرو سے بہت متاثر تھے۔ نہرو اُن کے "آئیڈیل ہیرو" تھے۔ چنانچہ جب بروہی دہلی میں پاکستان کے ہائی کمشنر مقرر کئے گئے تو انہوں نے نہرو سے خصوصی روابط قائم کئے۔ ان کی سرگرمیاں پُر اسرار اور مشکوک تھیں۔ چنانچہ اس وقت کے دہلی میں مقیم پاکستانی ڈپٹی ہائی کمشنر مسٹر محمد شفقت نے پاکستان کے دفتر خارجہ کو ان کی مشکوک سرگرمیوں کے بارے میں رپورٹ بھیجی۔ یہ رپورٹ "شفقت رپورٹ" کے عنوان سے اب بھی دفتر خارجہ میں موجود ہوگی۔ اس رپورٹ میں کہا گیا تھا کہ مسٹر بروہی کے رویئے سے بھارت نوازی جھلکتی ہے۔ اور انہوں نے پنڈت نہرو سے پاکستان کے مفادات کے منافی سودے بازی کر لی ہے۔ اُس وقت پاکستان کے وزیر خارجہ منظور قادر تھے۔ انہیں دیگر ذرائع سے بھی اسی نوعیت کی اطلاعات ملیں۔ چنانچہ انہوں نے مسٹر بروہی کو ہائی کمشنر کے عہدے سے علیحدہ کر دیا۔

حالات کی ستم ظریفی دیکھئے۔ کہ بروہی صاحب کو مشکوک سرگرمیوں کی وجہ سے ہائی کمشنر کے عہدے سے سبکدوش کیا گیا۔ اب وہی بروہی پاکستانی عوام کو حب الوطنی کا درس دے رہے ہیں۔

مورو پر عوامی عدالت میں مقدمہ چلایا جائیگا

اٹلی کے سابق وزیراعظم الدو مورو پر عوامی عدالت میں مقدمہ چلایا جا رہا ہے۔ اس بات کا اعلان ریڈ بریگیڈ چھاپہ مار گروپ کے ایک پوسٹر میں کیا گیا ہے جو روم کے ایک اخبار کے دفتر کی دیوار پر بڑی خاموشی سے لگا دیا گیا تھا۔ پوسٹر پر ریڈ بریگیڈ کی مہر اور دستخط بھی موجود ہے۔

پولیس نے پوسٹر کے متعلق تفتیش شروع کر دی ہے۔ وہ پوسٹر اور اعلان کو حقیقت قرار دے رہی ہے۔ سابق وزیراعظم کی عمر ۶۱ سال ہے۔ اور انہیں گیارہ دن قبل روم سے اغوا کیا گیا تھا۔ چھاپہ ماروں کے حملے میں مورو کے پانچ باڈی گارڈ ہلاک ہو گئے تھے۔ چھاپہ ماروں کے اس اچانک اعلان سے کہ مورو پر عوامی عدالت میں مقدمہ شروع ہو گیا۔ وہ خاموشی ٹوٹ گئی ہے۔ جو اغوا کے وقت سے اب تک مسلط تھی۔

مورو حکمران جماعت کرسچین ڈیموکریٹک پارٹی کے چیئرمین ہیں اور پانچ مرتبہ وزیراعظم رہ چکے ہیں۔ وہ اپنی کار پر روم کے بازار سے گزر رہے تھے کہ بارہ چھاپہ ماروں پر مشتمل کمانڈو گروپ نے حملہ کر کے پانچ پولیس باڈی گارڈ کو ہلاک کر دیا اور مورو کو بڑے ڈرامائی انداز سے دوسری کار میں سوار کر کے بھرے پڑے شہر سے فرار ہو گیا۔ چھاپہ ماروں نے اپنے چہرے کو نقاب میں چھپا رکھا تھا۔

ایک عورت نے جو بالائی منزل کی کھڑکی سے اغوا کی واردات کا منظر دیکھ رہی تھی، بتایا کہ "ایک

بنگلہ دیش میں پھانسی کی سزا روک دی گئی ہے: ضیاالرحمٰن

سینکڑوں افراد کو دار پر لٹکانے کے بعد عالمی تنظیم کو یقین دہانی

بنگلہ دیش میں فوج کے سینکڑوں مخالفین کو پھانسی دے دی گئی۔ دس ہزار سے پندرہ ہزار افراد سیاسی رقابت کی بنیاد پر مختلف جیلوں میں سڑ رہے ہیں اس بات کا انکشاف نارایسٹرن اکنامک ریویو کے ایک حالیہ شمارہ میں کیا گیا ہے۔

رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ اکتوبر کے دوران ۱۳۰ سے زائد فوجیوں کو پھانسی دے دی گئی تعداد زیادہ بھی ہو سکتی ہے۔ ان پر الزام تھا کہ انہوں نے صدر ضیاالرحمان کے خلاف بغاوت میں حصہ لیا تھا۔ ۳۰ ستمبر کو بوگرہ اور ۲ اکتوبر کو ڈھاکہ میں بائیں بازو کے فوجیوں نے یہ نعرہ بلند کیا تھا کہ "مسلح افواج طلبہ، کسانوں اور محنت کشوں کا مشترکہ مسلح انقلاب۔"

رپورٹ میں انکشاف کیا گیا ہے کہ خصوصی مارشل لاء ٹربیونلز میں خفیہ مقدمات کی سماعت کر کے انہیں موت کی سزائیں دے دی گئیں۔ زیر عتاب افراد کو وکلاء کی خدمات اور اپیل کے حق سے بھی محروم رکھا گیا۔ رپورٹ میں نشاندہی کی گئی ہے کہ فوجی مقدمات کی کارروائی قانونی تحفظات کی عدم موجودگی کے سبب انصاف کے عالمی معیار پر کسی طور پر پوری نہیں اترتی۔ مخالفین کو ڈھاکہ سنٹرل جیل اور ڈھاکہ کنٹونمنٹ میں پھندے لگا کر اور فائرنگ اسکواڈ کے سامنے کھڑا کر کے موت کی سزا دی گئی۔

اس ضمن میں ایمنسٹی انٹرنیشنل کی جانب سے ان کی موت کی سزائیں معاف کرنے کی اپیل کی گئی تھی لیکن ان اپیلوں کو نظر انداز کر دیا گیا۔ گزشتہ سال کے دسمبر بلکہ ۱۹۷۸ء میں بھی سزا دینے کا سلسلہ جاری ہے۔ ضیا حکومت میں انسانی حقوق کی پامالی سے ایک المناک تصویر سامنے آتی ہے۔

ریویو کے ذرائع کی بنیاد پر بنگلہ دیش کی مختلف جیلوں میں دس ہزار سے بیس ہزار تک سیاسی افراد نظر بند ہیں ان میں سے بیشتر افراد کا تعلق بائیں بازو کی تنظیم جاتیہ سماج تنترک دل (جے ایس ڈی) سے ہے جو حزب اختلاف کی سب سے بڑی پارٹی ہے، بائیں بازو کی دوسری ریڈیکل پارٹیوں اور شیخ مجیب الرحمان کی عوامی لیگ کے بھی بے شمار ارکان گرفتار ہیں۔

گرفتار شدگان کی اکثریت مارشل لاء کے ضابطوں کے تحت بند ہے۔ عام عدالتیں عملاً غیر مؤثر ہو کر رہ گئی ہیں۔ رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ بے شمار لوگوں کو لمبی مدت تک کسی مقدمہ کے بغیر حراست میں رکھا گیا ہے۔ مقدمات کی کارروائی خفیہ ہوتی ہے جس میں ضمانت اور اپیل کا کوئی تصور موجود نہیں۔ یہ صورتحال اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ موجودہ حکومت قانون کی عملداری سے بہت دور ہے۔

رپورٹ میں اس سوال کو اٹھایا گیا ہے، کہ جے ایس ڈی کے جن ٹاپ لیڈروں کو جولائی ۱۹۷۶ء میں مارشل لاء ٹربیونلوں کے ذریعہ سزائیں دی جا چکی ہیں۔ ان پر دوبارہ مقدمات چلائے جا رہے ہیں۔ جے ایس ڈی کے رہنما ایم اے جلیل۔ اے ایم ایس عبدالرب اور شاہجہان سراج کے خلاف اس الزام کے تحت مقدمات چلائے جا رہے ہیں کہ انہوں نے مارچ ۱۹۷۴ء میں شیخ مجیب الرحمان کے خلاف مظاہرہ میں حصہ لیا تھا۔ دلچسپ امر یہ ہے کہ اس وقت کی حکومت نے ان رہنماؤں پر اس الزام کے تحت مقدمات چلانے کی ضرورت محسوس نہیں کی تین سال بعد آنے والی حکومت نے محض سیاسی بنیاد پر ان پر مقدمات قائم کئے۔ کیا ایسے مقدمات کے جائز اور قانونی ہونے کے حق میں کوئی ٹھوس دلیل دی جا سکتی ہے؟

بنگلہ دیش کے جوائنٹ ہوم افیئرز سیکرٹری منظور الکریم نے عالمی تنظیم کو اس ضمن میں جو تحریری رپورٹ بھیجی ہے اس میں کہا گیا ہے کہ "دس ہزار سے پندرہ ہزار سیاسی قیدیوں کی تعداد پیش کرنے میں مبالغہ سے کام لیا گیا ہے۔ بہر حال مختلف سیاسی پارٹیوں سے تعلق رکھنے والے افراد کو ہنگامہ آرائی کے پیش نظر مقید کیا گیا ہے۔" انہوں نے اپنے جواب میں زیر حراست افراد کی کوئی تعداد نہیں بتائی۔

مسٹر منظور نے خصوصی مارشل لاء عدالتوں کا دفاع کرتے ہوئے کہا ہے کہ "بدامنی، انتشار، اور جرائم کے سدباب میں ان عدالتوں کی فوری کارروائی کافی مددگار ثابت ہوتی ہے۔ جہاں تک موت کی سزا کا تعلق ہے تو اس قسم کے احکامات پر چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل ضیاالرحمان کی تصدیق ضروری سمجھی گئی ہے۔ اسی طرح اعلیٰ سطح تک موت کی سزاؤں کی چھان پھٹک کا معقول انتظام موجود ہے۔"

مسٹر منظور نے پھانسی پانے والے افراد کی تعداد نہیں بتائی۔ نہ ہی صدر ضیاالرحمان نے عالمی ادارے کے سیکرٹری جنرل مارٹن اینلز کو کسی تعداد سے آگاہ کیا۔ تاہم صدر نے انہیں یقین دلایا کہ بنگلہ دیش میں پھانسی

باقی صفحہ ۴۰ پر

چھاپہ مار مورو کی کار کے قریب پہنچا اور دروازہ کھول کر مورو کو باہر کھینچ لیا۔ چند ہی لمحوں بعد میں نے محسوس کیا کہ یہ مورو ہے۔ وہ قریب ہی کھڑی ہوئی ایک بلو کار میں بیٹھ گئے۔ مورو خاموش تھا اور وہ زخمی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ دیکھتے دیکھتے چھاپہ مار اور مورو اس جگہ سے روانہ ہو گئے۔

اغوا کے چند دنوں بعد مورو کی ایک تصویر کے ساتھ ہینڈبل ملا جس میں کہا گیا تھا کہ عوام دشمنی کے الزام میں مورو پر عوامی عدالت میں مقدمہ چلایا جائے گا۔ ہینڈبل پر ٹیڑھے ٹیڑھے انداز سے پانچ کونوں والا ستارہ بنا ہوا تھا۔ یہ ہینڈبل روم سے شائع ہونے والے ایک روزنامہ میساگارو کو موصول ہوا تھا۔

ریڈ بریگیڈ کے ۱۴۸ چھاپہ مار گرفتار ہیں۔ اور ۲۵ چھاپہ ماروں کے خلاف وارنٹ گرفتاری جاری ہیں۔ پولیس انہیں گرفتار کر کے زبردست تشدد کرتی ہے ان پر چوری، ڈکیتی، اغوا اور قتل کے الزامات عائد کئے جاتے ہیں۔

عورتوں کا بین الاقوامی دن

پہلے انار کلیاں دیواروں میں چن دی جاتی تھیں، آج ----

تنویر اعزاز نظیر

عورتوں کی اپنے حقوق کے حصول کے لیے جدوجہد کی تاریخ کافی پرانی ہے۔ ابتدائی اشتراکیت کے بعد انسانی معاشرہ جب نابرابری اور استحصال کی آماجگاہ بنا تو عورت دوہرے استحصال کا شکار رہی۔ یعنی عورت نہ صرف طبقاتی استحصال کے شکنجے میں آئی بلکہ ایک صنف کے لحاظ سے وہ ایک ایسے سلوک کا نشانہ بنی۔ جو کم و بیش غلامی کے زمرہ میں آتا ہے۔ تب سے عورت کا مقدر آنسو بہانا قرار پایا۔ وہ دوسری بے جان ملکیتی اشیاء کی طرح میراث میں منتقل ہوتی رہی اور تجارت کی ایک جنس کہلائی۔ حساس ذہن اور دھڑکتا دل رکھنے کے باوجود وہ انسان کہلانے کی مستحق نہ بنی۔ اور اس کے انسان بننے کی خواہش کو کچل کر رکھ دیا گیا۔ قرونِ وسطیٰ کی تاریخ میں جہاں سلطنتوں کے عروج و زوال کے قصے ہیں، تہذیبوں کے پیدا ہونے اور مٹنے کی داستانیں ہیں، خونریزیوں اور تباہ کاریوں کا تذکرہ ہے وہاں بہت کم مؤرخوں نے عورت کی غلامی کے سوال کو وہ اہمیت دی ہے جس کا یہ مستحق ہے۔ جاگیرداری سماج نے عورت کی شخصیت کو تقریباً ختم کر کے رکھ دیا تھا۔ محلاتِ شاہی کی اونچی دیواروں کے اندر ایک سانس لیتا ہوا انسانی وجود بند ہوتا تھا۔ جس کی اپنے طور پر زندہ رہنے کی کوئی اہمیت نہیں تھی جب کبھی اس سے معمولی سی بھی خطا سرزد ہوتی تو وہ ہولناک عتاب کا شکار ہوتی۔ بہت سی بیٹیاں آگ میں جھونک دی گئیں اور بہت سی انار کلیوں کو دیواروں میں چنا گیا۔ یہ مشہور نام ہیں جبکہ لاتعداد بے نام عورتیں نسل در نسل بدترین مظالم اور صبر آزما مصائب سے دوچار ہیں۔ کبھی اس کا پیدا ہوتے ہی قتل روا قرار دیا گیا۔ اور کبھی وہ بڑی عمر میں مردوں کی چتاؤں میں جلتی رہی۔ جاگیردارانہ تہذیبیں ایسے وحشی رواجوں پر فخر کرتی تھیں اور بے چاری عورت یہ سب مظالم سہتی رہی۔ سرمایہ دارانہ دور میں جب استحصال کے جدید طریقے ایجاد ہوئے تو عورت بھی اس سے متاثر ہوتی لیکن سماجی ارتقاء کے عمل کے ساتھ انسانی شعور جب ایک ایسی منزل پر پہنچا جہاں اس نے سماج کی زندگی میں کارفرما قوانین کو سمجھ لیا اور استحصال کے عمل کو سمجھنے اور ختم کرنے کے طریقے ڈھونڈھنے میں کامیاب ہوا۔ تو استحصال کی دوسری شکلوں کے ساتھ ساتھ اسے عورت کی حالتِ زار کا احساس خصوصی طور پر ہوا۔ عورت کا انسان کی حیثیت سے تذکرہ کیا جانے لگا۔

اصلاحی تحریکوں نے عورتوں کی حالتِ زار پر توجہ دی۔ خود عورتوں کے اندر اپنے مطالبات منوانے کا جذبہ پیدا ہوا۔ عورت شروع ہی سے مختلف کاموں میں مرد کا ہاتھ بٹاتی تھی۔ زبردست محنت و مشقت کرتی تھی۔ کھیتی باڑی سے لے کر میدانِ جنگ تک وہ مرد کے ساتھ سائے کی طرح لگی رہتی تھی۔ لیکن کامیابیوں اور فتوحات کا سہرا صرف مرد کے حصے میں آتا تھا۔ جوں جوں عورت نے تعلیم حاصل کرنا شروع کیا ویسے ہی عورتوں کے حقوق کے لیے تحریک نے ایک شعوری حیثیت اختیار کر لی۔ اور انقلابی تحریکوں نے اس کو اپنے پروگراموں میں جگہ دی۔ اس صدی کے اوائل میں یعنی ۱۹۱۷ء کے عظیم اشتراکی انقلاب نے دنیا میں پہلی بار ایک ایسے معاشرے کی بنیاد رکھی۔ جو ہر قسم کے استحصال سے پاک ہو۔ چنانچہ سوویت یونین میں جہاں مزدوروں کسانوں اور دیگر کچلے ہوئے طبقات کو صدیوں کی غلامی سے نجات ملی وہاں عورت کو انسان کی حیثیت سے مکمل حقوق دیئے گئے۔ عورت کو جب ترقی اور نشوونما کے مساوی مواقع ملے تو اس نے استحصالی طبقات کے ان جھوٹے دعوؤں کو غلط ثابت کر دیا کہ عورت کمزوری کا دوسرا نام ہے۔ زندگی کے ہر میدان میں عورت کی بھرپور شرکت نے معاشرے کے اندر اس عدم توازن کو دور کر دیا۔ جو آبادی کے نصف سے زیادہ حصے کو مفلوج رکھنے کی وجہ سے پیدا ہوا تھا۔ پیداواری عمل میں، نمایاں طور پر تیزی پیدا ہوئی۔ مرد کو جنم دینے والی عورت جو اب تک مرد کے گلے میں ذمہ داری کا طوق تھی۔ اب قیمتی اثاثہ بن گئی۔

سرمایہ دار ممالک اور مغربی دنیا کی عورت آج بھی صدیوں پرانے استحصال کا شکار ہے۔ عورت ان ممالک میں آج بھی خرید و فروخت کی ایک جنس ہے۔ پرانے رسم و رواج اس کے خلاف سخت مصیبت ہیں۔ جس میں سرمایہ دار اسے جنسِ تجارت بنائے ہوئے ہے۔ اس کی مسخ شدہ شخصیت آج بھی ایک المیہ ہے۔ اس لیے ان ممالک میں سماجی تبدیلیوں کی بات کرنے والوں کے لیے عورت کے حقوق کے بارے میں خصوصی طور پر سوچنا چاہیے۔ خاتونِ خانہ کے طور پر اس کی بے بسی اور ایک محنت کش کے طور پر اس کی لاچاری کے خلاف آواز اٹھانی چاہیے۔ عورت استحصال کے خلاف چلنے والی تحریکوں میں بھرپور شرکت کر رہی ہے۔ سماجی تبدیلیوں قومی آزادی اور امن کے لیے چلنے والی تحریکوں میں عورت کی شرکت نے ثابت کر دیا ہے کہ عورت کا قدم صحیح طرف کو اٹھ رہا ہے اور آج عظیم انسانی کارناموں کی فہرست میں عورتوں کے نام سے منسوب کارنامے عورت کے حوصلے کا باعث بنے۔ ۱۹۷۶ء کو اقوامِ متحدہ نے عورتوں کے بین الاقوامی سال کے طور منایا۔ اس سے عورتوں کی خود اعتمادی میں اضافہ ہوا۔ عورتوں کے بین الاقوامی دن کے منائے جانے کا مقصد ایسی مثبت سماجی تبدیلیوں کی راہ ہموار کرنا ہے جس میں دیگر کچلے ہوئے طبقات کے ساتھ عورت کو بھی صدیوں کی تاریکی اور مظالم سے آزادی اور نجات مل جائے لہٰذا سماجی تبدیلیوں کے عمل میں شرکت اور اس میں فعال کردار کی ادائیگی آج ہر ماں، بیٹی، بیوی اور بہن کا تاریخی منصب ہے۔

منڈی بہاؤالدین ○ میاں محمد شریف زاہد

شوگر ملز ایمپلائز فیڈریشن پنجاب کا کنونشن

دستِ دولت آفریں کو اجرت نہیں بھیک دی جاتی ہے !

گلزار چوھدری، کلثوم جمال، فتح محمد مہدی، محمد اسلم، اختر اقبال گھمن
لال خان، اسلم شاد لنگاہ، محمد یوسف، اعجاز احمد، صالح محمد نیاز، اکبر محمد اور فقیر محمد خطاب کر رہے ہیں

شاہ تاج شوگر ملز منڈی بہاؤالدین شہر سے تقریباً ایک میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ ۹ مارچ ۱۹۷۸ء کو ملز کے اندر، کالونی میں اور راستوں پر رنگ برنگے بینر جگمگا رہے تھے جن پر مزدوروں کے معاشی اور انقلابی نعرے لکھے ہوئے تھے۔ ایک جشن کا سا سماں تھا۔ اس رونق کی وجہ یہ تھی کہ اس روز شاہ تاج شوگر ملز لیبر اینڈ اسٹاف یونین کے زیر انتظام شوگر ملز ایمپلائز یونین پنجاب کا کنونشن ہو رہا تھا۔ میزبان یونین نے باہر سے آنے والے مزدوروں ساتھیوں کے قیام و طعام کا بھی معقول انتظام کیا تھا۔

باہر سے آنے والوں میں سب سے پہلا قافلہ ایک بس کے ذریعے مزدور مجلس عمل لاہور سیکرٹری جنرل گلزار حسین چودھری کی قیادت میں آیا۔ آنے والے ساتھی راستے ہی سے نعرے لگاتے آ رہے تھے۔ مقامی مزدوروں نے بھی مزدور اتحاد کے نعروں سے انکا استقبال کیا۔ اس کے بعد پنجاب بھر سے مزدور نمائندوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اسی رات مزدوروں نے ایک ثقافتی پروگرام بھی رکھا تھا جو ساڑھے تین بجے تک جاری رہا۔ صبح بھی ناشتے کے بعد ثقافتی پروگرام شروع ہوا جو دن کے بارہ بجے تک جاری رہا۔

اس پروگرام میں مزدوروں نے اپنے انقلابی جذبے اور فنکارانہ صلاحیتوں کا مظاہرہ انقلابی گیتوں اور نظموں کے ذریعے کیا۔

۱۰ مارچ کو ساڑھے بارہ بجے کنونشن کا اجلاس شروع ہوا۔ جس کی صدارت شوگر ملز ایمپلائز فیڈریشن پنجاب کے صدر شوکت حسین نیازی نے کی۔ کارروائی کی ابتدا چوہدری محمد اسلم شاد کی تلاوت سے ہوئی۔ اس کے بعد فیڈریشن کے سیکرٹری جنرل محمد امین خاں نے سابقہ کارکردگی کی رپورٹ پیش کی۔ رپورٹ کے بعد تقریر کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ سرمایہ دار افسر شاہی اور ان کے حواری مزدوروں میں پھوٹ ڈالے رکھنے کے لیے جہاں مختلف حربے اختیار کرتے ہیں۔ وہیں وہ ٹریڈ یونین کو بھی استعمال کرتے ہیں۔ پاکٹ یونینیں بنواتے اور مزدور کو مزدور سے لڑاتے رہتے ہیں۔ یونینیں جب ان حالات پر قابو پا کر مطالبات کے مرحلے پر پہنچتی ہیں تو صرف اس صورت میں تھوڑا بہت فائدہ پہنچ جاتا ہے جبکہ مزدوروں کی صفیں متحد اور منظم ہوں۔ ورنہ برسوں حیلوں بہانوں میں گزر جاتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ مزدوروں کے پاس اپنے حالات کو بہتر بنانے کا ایک ہی وسیلہ ہے اور وہ ہے ان کا اتحاد۔

جوہرآباد شوگر ملز یونین کے جنرل سیکرٹری لال خاں نے مزدوروں کے اتحاد پر زور دیا اور جوہرآباد کے محنت کشوں کی طرف سے دوسرے مزدوروں کو مکمل تعاون کا یقین دلایا۔

لیہ شوگر ملز یونین کے ڈپٹی سیکرٹری جنرل امیر محمد صاحب نے یقین دلایا کہ جہاں کہیں بھی مزدوروں کی مدد اور تعاون کی ضرورت ہوگی لیہ کے مزدور وہاں موجود ہوں گے۔ ان کے بعد اتحاد کیمیکل کی طرف سے ملک فیروز نے ایک انقلابی نظم پیش کی۔

سانگلہ شوگر ملز یونین کے نمائندے مسٹر اعجاز احمد نے کہا کہ تیس سال گزر جانے کے بعد بھی پاکستان کا مزدور بھوک (افلاس) جہالت اور بیماری کا شکار ہے۔ سامراج کے حامیوں نے غریب عوام کو دونوں ہاتھوں سے لوٹا ہے اور اب بھی لوٹ رہے ہیں۔ گرانی دن بدن بڑھتی جا رہی ہے۔ آٹا نہ صرف مہنگا ہے بلکہ ملتا بھی مشکل سے ہے۔ انہوں نے کہا کہ ان برائیوں کو دور کرنے کا صرف ایک طریقہ ہے کہ تمام ٹریڈ یونین، فیڈریشنیں اور دوسری ترقی پسند تنظیمیں مل کر سوشلزم کے قیام کے لیے جدوجہد کریں۔ انہوں نے ملتان فائرنگ کی تحقیقات ہائی کورٹ کے تین ججوں کے ذریعے کروانے کے مطالبے کو دہرایا۔ شہیدوں کے لواحقین اور معذور ہونے والوں کو تاحیات گزارہ الاؤنس دیا جائے۔ مہنگائی الاؤنس تنخواہ میں ضم کرنے، کم از کم تنخواہ چھ سو روپے اور موجودہ قیمتوں کے پیش نظر دو سو روپے اضافی مہنگائی الاؤنس دینے کا مطالبہ کیا۔

شاہ تاج شوگر ملز لیبر اینڈ اسٹاف یونین کے سیکرٹری جنرل مسٹر فتح محمد مہدی نے کنونشن سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ دنیا کی تاریخ گواہ ہے کہ جہاں جہاں استحصالی نظام موجود ہے وہاں مزدوروں کے مطالبات کا جواب تشدد اور گولی سے دیا جاتا ہے۔ اس لیے ہمیں اپنی طاقت کے مطابق قدم اٹھانا چاہیئے۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں اجرت، بونس اور منافع میں حصہ کی بھیک کی صورت دیا جاتا ہے جبکہ اصل پیداواری قوت ہم ہیں۔ انہوں نے آٹے کی قلت کا ذکر کرتے ہوئے سوال کیا کہ آخر آٹا کہاں غائب ہو گیا ہے؟ انہوں نے مہنگائی کا ذمہ دار سرمایہ داروں، تاجروں اور بڑے زمینداروں کو ٹھہرایا۔

چشتیاں شوگر ملز کے نمائندے محمد یوسف نے اپنی تقریر میں نظریاتی تعلیم اور بلند سیاسی شعور پر زور دیا۔ اور اسے ظلم کی سیاہ رات کے خاتمے کی شرط قرار دیا۔

صادق آباد شوگر ملز لیبر یونین کے سیکرٹری جنرل نے عوامی جمہوری انقلاب کو ظلم اور استحصال سے نجات کا واحد راستہ قرار دیا۔

مزدور رابطہ کمیٹی کالا شاہ کاکو کے صدر محمد اسلم نے کہا کہ ہماری کامیابی اس میں ہے کہ طلباء، مزدور، کسان اور محنت کش عوام اپنی قیادت میں جدوجہد چلا کر غیر طبقاتی معاشرہ قائم کریں۔

کریسنٹ شوگر ملز فیصل آباد کے صدر صالح محمد نیازی نے یقین دلایا کہ وہ مزدوروں اور محنت کشوں کے حقوق اور مفادات کے لیے ہونے والی ہر جدوجہد میں شریک رہیں گے۔

مزدور مجلس عمل لاہور کے سیکرٹری جنرل نے اپنی تقریر میں اس اندیشے کا اظہار کیا کہ ملتان کے واقعات کہیں اور بھی دہرائے جا سکتے ہیں۔ مزدوروں کو ایسے حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے خود کو متحد اور منظم کرنا چاہیئے۔ انہوں نے اس یقین کا اظہار کیا کہ پاکستان کی سرزمین بھی نئے خیالات اور جذبات سے فیضیاب ہوگی اور ملک کی خوشحالی کا انحصار بھی استحصالی نظام کے خاتمے اور عوامی جمہوری نظام کے قیام پر ہے۔ انہوں نے شوگر ملز کے مزدوروں کو ان کی جدوجہد میں مکمل حمایت کا یقین دلایا۔

انجمن جمہوریت پسند خواتین کی سیکرٹری جنرل کلثوم جمال نے کنونشن سے خطاب کرتے ہوئے محنت کشوں کو سلام پیش کیا۔ انہوں نے کہا کہ خواتین بھی اپنے بھائیوں کے ساتھ جدوجہد میں شامل رہیں گی کیونکہ خواتین بھی اسی صورت میں استحصال سے نجات حاصل کر سکتی ہیں جبکہ ملک سے استحصالی نظام کا خاتمہ ہو جائے۔

شوگر ملز ایمپلائز فیڈریشن پنجاب کے صدر شوکت حسین نیازی نے کنونشن کی صدارتی تقریر میں مزدور تحریک اور موجودہ صورتحال کا جائزہ لیا اور شوگر انڈسٹری کے مزدوروں کے مطالبات کے ساتھ مطالبہ کیا کہ تمام گرفتار شدہ مزدوروں اور مزدور کارکنوں کو رہا کیا جائے۔ برطرف شدہ مزدوروں اور دوسرے ملازمین کو بحال کیا جائے۔ کوڑوں کی سزائیں منسوخ کی جائیں۔ کالے قوانین ختم کیے جائیں۔ سانحہ ملتان کے ذمہ دار افراد کو پھانسی دی جائے۔

کنونشن کے اسٹیج سیکرٹری کے فرائض اختر اقبال گھمن نے ادا کیے۔

بقیہ : بنگلہ دیش

کی سزا رد کی گئی ہے۔ سرکاری طور پر حکومت نے تصدیق کی ہے کہ صرف ۱۳۰ افراد کو پھانسی دی گئی ہے جنہوں نے بغاوت میں حصہ لیا تھا۔ لیکن دوسرے ذرائع، خاص طور پر یو ایس اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے اندازے کے مطابق تعداد کہیں زیادہ ہے۔

۱۰ فروری کو واشنگٹن پوسٹ نے انکشاف کیا کہ بنگلہ دیش کے امریکی سفارت خانے سے اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کو جو کیبل بھیجا گیا اس میں بتایا گیا کہ حکومت کے خلاف بغاوت کے الزام میں مسلح افواج سے تعلق رکھنے والے ۲۱۷ افراد کو پھانسی دی گئی ہے۔

لندن سنڈے ٹائمز میں اس سے کہیں زیادہ تعداد ظاہر کی گئی ہے۔ انکشاف کیا گیا ہے کہ ۶۰۰ سروس مین کے گلے میں پھانسی کا پھندہ فٹ کیا گیا۔ اخبار کے نامہ نگار کو بنگلہ دیش کے بعض ذرائع سے معلوم ہوا کہ پھانسی پانے والوں کی تعداد ۸۰۰ سے ایک ہزار کے درمیان ہے۔

بنگلہ دیش میں اتنی بڑی تعداد میں مخالفین کی موت سے انسانی حقوق کے عالمی ادارے ہل کر رہ گئے ہیں۔ ایمنسٹی کے سیکرٹری جنرل نے صدر ضیاء الرحمان کو کیبل بھیجا جس میں انہوں نے کہا کہ ۳۰ دسمبر کو ہماری اور آپ کی جو ملاقات ہوئی تھی اس میں آپ نے یقین دہانی کرائی تھی کہ آئندہ کسی شخص کو سیاسی اختلافات کی بنا پر پھانسی کی سزا نہیں دی جائے گی۔ لیکن عالمی پریس میں پھانسی پانے والوں کی جو تعداد بتائی جا رہی ہے اس کی روشنی میں یہ حقیقت ظاہر ہوتی ہے کہ بنگلہ دیش میں سیاسی حریفوں کو پھانسی دینے کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔" سیکرٹری جنرل نے ایک بار پھر اپنی اپیل میں یقین دہانی مانگی کہ آئندہ سیاسی مخالفین کو پھانسی نہ دی جائے۔" لیکن صدر ضیاء الرحمان یا حکومت کی جانب سے ابھی تک کوئی یقین دہانی نہیں کرائی گئی۔

بنگلہ دیش میں سیاسی آزادیوں پر پابندی ہے۔ اجتماع اور تحریر و تقریر پر سخت قدغن ہے۔ بائیں بازو کے بیشتر رہنماؤں کو گرفتار کر کے جیلوں میں ڈال دیا گیا ہے۔ بعض ریڈیکل رہنماؤں کو قتل کر دیا گیا۔ حکومت کو زیادہ خطرہ بائیں بازو کی پارٹیوں کی طرف سے ہے۔ لہٰذا جور و ظلم اور سختیاں بھی انہی پر زیادہ ہیں۔ دائیں بازو کی پارٹیاں اور رہنما خوشامد اور چاپلوسی میں مصروف ہیں۔ چنانچہ صدر ضیا کی بائیں طرف جیلوں کی تنگ و تاریک کوٹھریاں اور دائیں طرف اقتدار کی سیڑھیاں ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ مستقبل کا مرد آہن کون ہے؟

وادیٔ بولان

ناصر عرفات

بلوچ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن کا کنونشن

ملک بچاؤ، کڑی نظر رکھو، ٹکڑیاں نہ ہونے دو

بارشِ سنگ تو ہوگی (لیکن تم) ذرا سر اٹھا کر چلنا

ایک ماہ سے کچھ زائد عرصہ بلوچستان سے باہر دوسرے صوبوں میں سرگرداں رہنے کے بعد کوئٹہ واپسی ہوئی تو سردی میں ٹھٹھرے ہوئے سناٹے کا شدید احساس ہوا۔ موسم سرما کا پہلا نصف برفباری کے باوجود شدید سردی کے بغیر گذرا تھا۔ موسم بہار میں ٹھٹھرتی صبحیں اور کپکپاتی راتیں عجیب سی معلوم ہوتیں جیسے ۲۰ سال پہلے کا موسم لوٹ آیا ہو۔ ۱۹۵۸ء میں بھی جب جنرل ایوب خان کا مارشل لا لگا تھا تو موسم اور سناٹے کی یہی شدت ہوا کرتی تھی۔ شاید تاریخ کے ساتھ موسم بھی خود کو دہرا رہا ہے۔ ۱۹۵۸ء کے مارشل لا کی خاموشیوں میں بھی صرف طالب علم تھے جو بے باکی اور جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے مصلحت کوشی پر کاری ضربیں لگاتے۔ اپنے خیالات و احساسات کے اظہار میں بلند آہنگ تھے۔ آج بھی کیفیت مختلف نہ تھی۔ بلوچ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن کی قومی کونسل کے پانچویں اجلاس کے انعقاد کے پوسٹر در و دیوار پر چسپاں گواہی دے رہے تھے کہ بلوچستان کی جسدِ سیاست کے باقی اعضا جیل اور بیڑیوں کے بوجھ سے تھک گئے ہوں، تو بات دوسری ہے۔ زبان مفلوج نہیں ہوئی۔ نوجوانوں کے حوصلے جواں اور عزم بلند ہے۔ ۲۰ مارچ کو بلوچستان یونیورسٹی کے آڈیٹوریم میں گونجنے والے نعرے اور قائدین کی تقاریر سوکھے دہانوں کے لئے بارش کی نوید تھیں۔ آڈیٹوریم کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ افتتاحی اجلاس شروع ہوا چاہتا تھا۔ اچانک دروازے پر شور سنائی دیا اور لوگ اٹھ اٹھ کر دیکھنے لگے۔ خیال گذرا شاید پولیس اپنا روایتی رول ادا کرنے پہنچ گئی ہے۔ یونیورسٹی آڈیٹوریم استعمال کرنے کی اجازت نہیں دی گئی تھی۔ بی ایس او کوئٹہ زون کے کارکنوں نے ہال پر بزور قبضہ کر لیا تھا جس کے کچھ دیر بعد حکام کی طرف سے ٹیلی فون پر صرف ایک دن کے لئے آڈیٹوریم استعمال کرنے کی اجازت کا مژدہ سنایا گیا تھا۔ ذہنوں میں سوال ابھرا کیا معلوم موڈ بدل گیا ہو لیکن نہیں بات یہ نہ تھی۔ تنظیم کے وہ پرانے کارکن تھے جنہیں مصلحت کوشی اختیار کرنے کے جرم میں مرکزی چیئرمین فہم خان سمیت تنظیم سے خارج کیا جا چکا تھا۔ وہ اندر آنا چاہتے تھے لیکن سلیقے سے روک دیا گیا اور قائم مقام چیئرمین محمد خان مینگل کی صدارت میں اجلاس شروع ہو گیا۔ آغاز بی ایس او کے ترانے "ماں چک بلوچاں نے" سے ہوا جو یوسف بلوچ، عمر بخش اور ساتھیوں نے پیش کیا۔ پورا ہال احترام میں خاموش کھڑا تھا۔ کوئٹہ زون کے صدر حبیب جالب بلوچ مندوبین اور دوسرے شرکا کا استقبال کیا۔ وہ تقریر کے لئے آتے تو آڈیٹوریم "بی ایس او کا نعرہ ہے بلوچستان ہمارا ہے" کے نعروں سے گونج رہا تھا۔ حبیب جالب نے کہا۔ بلوچستان کیوں ہمارا نہ ہو جس میں مجید شہید، عمر شہید مشکے کے شہدا اور ہزاروں غیور عوام کے خون سے لت پت بلوچستان کی سرزمین پر معزز مہمانوں کو خوش آمدید کہتا ہوں (نعرے، سامراج کا قبرستان۔ بلوچستان۔ بلوچستان۔ نعروں کی گونج ختم ہوتی تو حبیب جالب کہہ رہے تھے۔ ہمیں زنداں کی تنگ و تاریک کوٹھڑیاں قبول۔ ہتھکڑیوں کا زیور قبول۔ دیس کے ناموس کے لئے ہر مشکل کا سامنا کرنا قبول۔ لیکن کسی آمر کی دی ہوئی غلامی کا طوق لعنت قبول نہیں۔ آڈیٹوریم مصلحت یا جدوجہد۔ جدوجہد۔ جدوجہد کے نعروں سے گونج اٹھا۔

حبیب جالب کے بعد مرکزی سیکرٹری کی رپورٹ پڑھ کر سنائی گئی جس کے چند حصے خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔ جو سرگرمیوں کی رپورٹ کے ساتھ اختیار کردہ پالیسیوں کا پس منظر بھی پیش کرتے تھے رپورٹ میں کہا گیا تھا۔ قومی کونسل کا اجلاس ڈھائی سال بعد منعقد ہو رہا ہے۔ آخری اجلاس کراچی میں ہوا تھا اس دوران حالات بہت بدلے ہیں۔ دنیا کے بھی برصغیر کے بھی اور خصوصیت سے پاکستان میں بھی جن کا لامحالہ بلوچستان پر بھی اثر پڑا ہے۔ تاہم رجعت پسندوں کا آقا امریکہ اس خطے میں اپنی چودھراہٹ برقرار رکھنے کی آخری کوششوں

میں مصروف ہے۔ رجعت پسند دیت نام ہی اپنے انجام کو کیوں بھول چکے ہیں لیکن عوام اپنے دشمنوں کو خوب پہچان رہے ہیں۔ بی ایس او نے حتی المقدور استحصالی نظام کے خلاف جدوجہد کی ہے اور یہ جدوجہد دوسری ترقی پسند قوتوں کے تعاون سے جاری رہے گی۔ بی ایس او جانتی ہے انقلاب من و سلویٰ نہیں۔ اچانک نمودار ہونے والی آسمانی تبدیلی نہیں۔ چھوٹی چھوٹی تبدیلیاں انقلاب کا پیش خیمہ ہوتی ہیں۔ بلوچستان آپریشن سے اس صوبے میں جمہوری تحریک ختم نہیں ہوئی۔ نوجوان آزمائش کی بھٹی میں تپ کر کندن بن کر نکلے ہیں۔ اب سامراجی اور ان کے ایجنٹ طریقۂ واردات تبدیل کریں گے۔ عوام کو ٹکڑوں میں بانٹنے کی کوشش کی جائے گی۔ ہر قوم کو سمجھایا جائے گا کہ تم افضل و اعلیٰ ہو سب اپنے حقوق کی جدوجہد کرو۔ بلوچستان میں پختون اور بلوچ، سندھ میں سندھی و مہاجر اور دوسرے صوبوں میں بھی ایسے ہی نعرے دیئے جائیں گے۔ کہ ہم لوگ الگ ہو جائیں، آپس میں لڑیں۔ سامراج کے پٹھو جب محسوس کرتے ہیں کہ وہ اقتدار میں نہیں رہ سکتے تو ملک کو توڑ کر چھوٹے چھوٹے ملکوں میں تقسیم کر دیتے ہیں یا ملک توڑ کر قریبی ملکوں کے حوالے کر دیتے ہیں۔ ہمیں اس بات کو نہ بھولنا چاہیئے کہ ملک پر آنچ آئی تو ہم پر غلامی آئے گی۔ ہمیں حالات پہ کڑی نظر رکھنی ہوگی۔ ترقی یافتہ اور بڑے ملک چھوٹے ملکوں کو خام مال کی منڈیاں سمجھ کر قبضہ کرنے کے درپے ہیں۔ ہم نے ہر سطح پہ سامراج کی مزاحمت کی ہے اور کرتے رہیں گے۔

بی ایس او نے یو ڈی ایف کی رجعت پسندی اور سامراج پرستی کی مزاحمت کی تھی۔ قومی اتحاد وجود میں آیا تو ہمیں اس کے جمہوری قیادت ہونے میں شبہ تھا۔ مارچ ۷۷ء کے انتخابات آئے۔ بلوچستان کے بارے میں قومی اتحاد سنجیدہ نہیں تھا۔ بی ایس او نے بلوچستان میں انتخابات کے بائیکاٹ کی مہم چلائی اور کامیاب رہے۔ انتخابات کے بعد حالات نے پھر پلٹا کھایا۔ دوبارہ انتخابات کا اعلان ہوا۔ عوام کے بڑھتے ہوئے دباؤ کے تحت پیپلز پارٹی اور قومی اتحاد حیدرآباد ٹریبونل توڑنے پر مجبوراً متفق ہو گئے۔

لیکن ملک میں مارشل لا لگ گیا۔ فوجی حکومت نے حیدرآباد ٹریبونل توڑنے سے انکار کر دیا۔ اکتوبر میں انتخابات کا اعلان ہوا۔ بلوچستان کی صورت حال میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی لیکن قومی اتحاد نے مارچ کے برعکس چہرہ بدل لیا اور انتخابات میں حصہ لینے کا فیصلہ کیا۔ موقع پرست سیاستدانوں کے دعویٰ کے باوجود بلوچستان میں فوجیں موجود تھیں۔ صوبے کے عوام کو مارچ میں مشکلات

مظلوموں کی حمایت کے نام نہاد دعویدار طوطا چشم نکلے

درپیش تھیں۔ اسی دوران بی ایس او کی پالیسی واضح رہی جو ہمیشہ سیکولر، قومی اور جمہوری قوتوں سے تعاون کرتی رہی ہے۔ چند رہنماؤں کی رہائی، مسئلہ کا حل نہیں اور اس پہ ہم آرام سے نہیں بیٹھیں گے۔ ہماری تنظیم ماضی میں کالعدم نیپ سے تعاون کرتی رہی کیونکہ ہم اسے ترقی پسند جمہوری جماعت سمجھتے تھے۔ ہمیں اس میں عار نہیں تھا لیکن ہم کبھی سامراج کے آلہ کاروں سے تعاون نہیں کریں گے۔ نیپ کے کالعدم قرار پانے کے بعد این ڈی پی وجود میں آئی جو در عمل دو تین بازو کی پارٹی تھی۔ وہ سیکولر تھی نہ قومی حقوق کے پروگرام پہ کاربند تھی۔ اس نے ترقی پسند پروگرام کو پس پشت ڈال دیا تھا۔ اکتوبر کے انتخابات میں این ڈی پی نے باقاعدہ مہم چلائی۔ اور ثابت ہو گیا کہ وہ بلوچستان کے عوام سے مخلص نہیں تھی۔ اس مرحلہ پہ بی ایس او کے اندر اختلاف رائے پیدا ہوا۔ اگرچہ بنیادی اصولوں پہ اختلاف نہیں تھا، لیکن سیاسی معاملات اور سیاسی طریق کار پہ اختلاف تھا۔ کچھ ساتھیوں نے اسے مستقل اختلاف کی شکل دینے کی کوشش کی اور انہیں تنظیم سے نکال باہر کیا گیا (تالیاں) بی ایس او قوموں کا وجود تسلیم کرانے سیکولرازم اور سوشلزم کے لئے جدوجہد کو اپنا اصول قرار دیتی ہے۔ سیاسی جماعت کالعدم نیپ سے تعاون اسی بنیاد پہ تھا۔ بی ایس او نے کالعدم نیپ سے اصولی بنیادوں پہ اختلاف بھی کیا اس کا اظہار نیپ کے دورِ حکومت میں صوبے میں اردو کو سرکاری زبان قرار دینے، آئین کی منظوری وغیرہ پہ اختلاف کی پالیسی سے ہوتا ہے۔ این ڈی پی کا منشور دیکھ کر ہم اس نتیجے پہ پہنچے کہ یہ جماعت ان سے مختلف نہیں جو ہمیشہ ریاستی مشینری کے آلۂ کار بنتے ہیں، سامراجی ممالک سے رشتے جوڑتے ہیں۔ اتنا تضاد رکھتے ہیں کہ جیسے دن اور رات ہماری قیادت جیلوں میں تھی لیکن جدوجہد کا پرچم بلند رکھا گیا۔ این ڈی پی میں کالعدم نیپ کے ایسے لوگ شامل ہوتے جو گومگو کی کیفیت کے شکار تھے۔ بی ایس او نے ان کے تضادِ نظریہ کو پیشِ نظر رکھا ایسی پارٹی سے تعاون نہیں ہو سکتا تھا۔ بی ایس او نے ترقی پسند نظریات کی طرف پیش رفت کی ہے۔ ہماری تنظیم نے ثابت کیا ہے کہ اصولوں سے ہٹ جانے والوں کو خواہ وہ کتنے طاقتور رہیں برداشت نہیں کیا جائے گا۔

باقی رپورٹ میں ہر زون کی پیپلز پارٹی کے جبر و تشدد کے خلاف جدوجہد کا خصوصی تذکرہ اور جلسہ و جلوس نیز طلبہ سرگرمیوں میں حصہ لینے کا تفصیلی تذکرہ تھا۔

رپورٹ کے بعد صوبہ سندھ کے سیکرٹری اختر زمان شاہ نے بلوچستان لیبر فیڈریشن کے خالق بلوچ اور نسیم دشتی نے مچھ جیل میں محبوس بی ایس او صوبہ بلوچستان کے صدر ایوب بلوچ کے انقلابی پیغامات پڑھ کر سنائے۔ نوجوان انقلابی شاعر سلیم بلوچ نے اپنی اردو نظم "بلوچ نوجوان ہوں دلیر و کامران ہوں" پیش کی اور زبردست خراجِ تحسین کے حقدار قرار پائے۔ ان کے بعد مہمان مقرر سندھ نیشنل اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے رہنما مسٹر نذیر عباسی نے تقریر کی اور بی ایس او اور بلوچستان کے عوام کو سندھ کی ترقی پسند قوتوں کے تعاون کی یقین دہانی کرائی۔ انہوں نے فخریہ بیان کیا کہ نظریاتی رشتوں کی وجہ سے پاکستان فیڈرل یونین آف اسٹوڈنٹس میں بی ایس او سے باقاعدہ اتحاد موجود ہے اور یہ فیڈریشن ترقی پسند طلبہ کی عالمی تنظیم سے منسلک ہے۔ انہوں نے انکشاف کیا کہ خیر جان بلوچ دوسرے تین نمائندوں کے ہمراہ عالمی تنظیم کے اجلاسوں میں برلن اور پراگ میں پاکستانی طلبہ کی نمائندگی کر رہے ہیں، انہوں نے کہا کہ ہمارے نظریاتی رشتوں کو کوئی سردار، کوئی خان نہیں توڑ سکتا۔ انہوں نے کہا بلوچستان یونیورسٹی آڈیٹوریم کا یہ بھرپور سیشن اس کا گواہ ہے کہ ہم صحیح راہ پر ہیں۔ مسٹر نذیر نے کہا ایک

بی ایس او کے نو منتخب عہدیدار

بی ایس او کے کنونشن میں مندرجہ ذیل عہدیدار اور اراکین منتخب کیے گئے۔

مرکزی چیئرمین رزاق بلوچ، سینیئر وائس چیئرمین محمد خان مینگل، جونیئر وائس چیئرمین داد جان بلوچ، شمس الحق سکریٹری حبیب جالب بلوچ، سینیئر جوائنٹ سکریٹری ایوب بلوچ، جونیئر جوائنٹ سکریٹری عبدالصمد بلوچ، حبیب اللہ بلوچ، نذر محمد بلوچ۔ مرکزی خازن موہن کمار۔

بلوچستان کے عہدیدار

صدر اسلم بلوچ، سینیئر نائب صدر محمد عالم بلوچ، جونیئر نائب صدر فضل الخالق بلوچ۔ جنرل سکریٹری محمد سلیمان بلوچ، سینیئر جوائنٹ سکریٹری منیر احمد، جونیئر جوائنٹ سکریٹری حبیب الرحمٰن، خازن محمد عالم بلوچ۔

صوبہ سندھ کے عہدیدار

صدر اختر زمان شاہ، سینیئر نائب صدر حفیظ بلوچ جونیئر نائب صدر غلام رسول بلوچ، جنرل سکریٹری شرافت بلوچ، سینیئر سکریٹری مرید بلوچ، جونیئر جوائنٹ سکریٹری مختار شاہ، خازن اختر بلوچ۔ اس کے علاوہ مرکزی مجلس عاملہ کے لئے پندرہ اراکین اور صوبائی مجلس عاملہ برائے سندھ اور بلوچستان کے لئے اُنیس اراکین کا انتخاب بھی عمل میں آیا۔

فرد کو موت کی سزا دینے سے کیا حاصل، اسد اللہ مینگل اشوک کمار اور بلوچستان کے مظلوم عوام کے قتل کی تحقیقات کیوں نہیں کی جاتی۔ انہوں نے کہا کہ چہرے بدلنے سے کچھ نہیں ہوگا۔ سماج کی تبدیلی کی ضرورت ہے

ان کے بعد رازق بلوچ سے سٹیج پر آنے کی درخواست کی گئی اور ہال دیر تک تالیوں سے گونجتا رہا۔ پُرعزم مسکراتے چہرے والے اس نوجوان کے لئے اجلاس کی انتہائی گرم جوشی کا سبب ان کی تقریر سننے کے بعد سمجھ میں آگیا۔ سلجھے ہوئے زورِ خطابت سے بھرپور تقریر میں بلوچ سٹوڈنٹس آرگنائزیشن کے ماضی ہی نہیں مستقبل کی پالیسیوں کا پرتو بھی موجود تھا اور اس پالیسی پر اگلے روز رازق بگٹی کو تنظیم کا مرکزی چیئرمین منتخب کر کے مہرِ تصدیق ثبت کر دی گئی۔ ان کے بعض فقروں میں دوہری کاٹ تھی اور تخاطب واضح طور پر کالعدم نیپ کی بلوچ و پشتون قیادت سے معلوم ہوتا تھا۔

رازق بلوچ نے کہا بڑے عرصے بعد ہم اور آپ اس طرح مل بیٹھے ہیں۔ اس اجلاس کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ ملکی حالات اور خاص طور پر یہاں کی صورتِ حال پیچیدہ اور انتہائی خطرناک ہے۔ کسی کا کہنا ہے کہ

؎ بارشِ سنگ تو ہوتی دیکین نم، ذرا سر اٹھا کر چلنا

حالات نئے نہیں ہیں۔ ماضی کھلی کتاب کی طرح ہے۔ ہم نے سخت حالات دیکھے ہیں اور دیکھ رہے ہیں یہاں کے حکمران جو بین الاقوامی سامراج کے گماشتہ ہیں ان کا یہ خیال خام ہے کہ ظلم اور قتل و غارت گری سے عوامی حقوق کے نعروں اور اس کی جدوجہد کرنے والوں کا رُخ موڑ دیں گے۔ اس جلاس میں ان نوجوانوں کی موجودگی ثابت کرتی ہے کہ سامراج ناکام ہوگا۔ بی ایس او نے ۱۹۶۷ء میں اپنے قیام سے آج تک ظلم و استبداد کے خلاف جدوجہد کی ہے جہاں بھی ظلم و تشدد ہوا آواز بلند کی ہے ویت نام میں قتلِ عام ہوا جب بھی۔ کمبوڈیا میں خون کی ندیاں بہائی گئیں جب بھی انگولا میں جیالوں کو مارا گیا جب بھی ہم نے احتجاج کیا۔ فلسطینیوں پر پہلے بھی ظلم ہوا اور آج بھی، اس وقت بھی ان کے خلاف جارحیت کا ارتکاب کیا گیا ہے۔ مظلوم فلسطینی سامراجیوں اور توسیع پسند ظالموں سے جنگ آزما ہیں۔ ہم ان کے ساتھ ہیں۔ نظریاتی ہم آہنگی کے ساتھ ہم ہمیشہ ان کے ساتھ رہیں گے۔

(نعرے، بولان سے گولان تک۔ ویت نام ویتنام۔

وقت نے ثابت کر دکھایا ہے اور ثابت کر دکھائے گا۔ ہم ایک دوسرے سے الگ نہیں۔

ہماری منزل ایک ہے۔

(نعرے، ایک ہی منزل ایک ہی ازم نیشنلزم سے سوشلزم۔

ماضی میں جنہوں نے مظلوم عوام کے لئے جدوجہد کی۔ ہم نے ان کا ساتھ دیا۔ سیکریٹری کی رپورٹ سے یہ بات واضح ہو چکی ہے۔ ہم سیکولرازم، قومیتوں کے حقوق کی بات کرنے والوں، مظلوموں، کسانوں، مزدوروں کے لئے جدوجہد کرنے والوں کے شانہ بشانہ چلے ہیں۔ ہماری یہ جدوجہد جاری ہے اور جاری رہے گی۔ بی ایس او کے ارکان صحیح نظریات اور خیالات طلبہ، نوجوانوں اور عوام تک پہنچائیں۔ انہیں سمجھائیں اصل مسائل کیا ہیں اور ان کا حل کیا ہے۔ ہم پر ہمیشہ فرائض عائد کیے جاتے رہے ہیں۔ فرائض کے ساتھ ہم نے حقوق کی بات کی تو ہم پر ظلم و تشدد کیا گیا۔ ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں اکثریت بنگالیوں کی تھی۔ اس اکثریت کا انجام کیا ہوا۔ سرحد اور بلوچستان میں کن کی اکثریت تھی ان کا انجام بھی سامنے ہے۔ ایک الیکشن ۱۹۷۰ء میں بھی ہوا۔ پھر ظاہر کرنے کی کوشش کی گئی کہ ووٹ کے ذریعے عوام کے مسائل حل ہوں گے۔ دوسری بار اسلامی سوشلزم کے نام پر فریب دینے کی کوشش کی گئی۔ پہلی بار کبھی لانڈھی اور کبھی ہشت نگر میں قتلِ عام کی صورت میں قوم نتیجہ دیکھ چکی تھی۔ اسی اسلامی سوشلزم کے نام پر بلوچستان پر فوج کشی کی گئی تاکہ حقوق نہ دیئے جائیں۔ یہ سمجھ کر سوشلزم یا اسلامی سوشلزم تو ہو سکتا ہے لیکن ہم اس سوشلزم کو مانتے ہیں جو ان تین رہنماؤں نے پیش کیا ہے جن کی تصاویر یہاں سٹیج پر رکھی ہیں (یہ تصاویر کارل مارکس، لینن اور اینگلز کی تھیں) ہم ان تین رہنماؤں کی پیروی کرتے ہیں اور اسلامی سوشلزم کے ڈھکوسلے میں نہیں آتے۔ ہمیں معلوم تھا اس سے مزدوروں کے حقوق حاصل نہیں ہوں گے۔

رازق بلوچ نے کہا یہاں جمہوری حکومت کو کچلنے کے لئے مختلف طریقے اختیار کیے جاتے رہے ہیں۔ ماضی میں نظریۂ پاکستان اور نظریہ اسلام کی بنیاد پر عوام کو کچلنے کی کوششیں کی جاتی رہیں۔ بیرونی قوتوں کے علاوہ ہمیں اپنے اندر موجود قوتوں کو بھی جاننے کی ضرورت ہے جو مظلوم عوام کی بات کرتے ہیں۔ لیکن عمل اس کی گواہی نہیں دیتا۔ اصل اہمیت عمل کی ہے بی ایس او نے نیپ کی حمایت اصولوں کی بنیاد پر کی تھی اور این ڈی پی کی مخالفت بھی اصولوں کی بنیاد پر کی گئی۔ ہر کوئی جانتا ہے وہ کیا نظریات ہیں کہ جن کی بنا پر اختلافِ رائے ہوا۔ بی ایس او کا منشور اور جدوجہد سامنے ہے۔ ساتھیوں کا کردار بھی ڈھکا چھپا نہیں۔ ہم آج تک صحیح سمت میں رواں دواں رہے ہیں

جو پہلے ساتھ تھے اور آج ساتھ نہیں. انہوں نے آپ کا ساتھ چھوڑا ہے. انہوں نے نظریات سے غداری کی ہے انہوں نے نظریات سے غداری کی ہے انہوں نے نعرے اور منزل چھوڑ دی ہے. آپ نے نہ نعرے چھوڑے ہیں اور نہ منزل. چھوڑنے والوں کا طریقہ ہمیشہ یہی رہا ہے کہ شور مچاؤ. غداری کرو. پیٹھ دکھاؤ اور مورد الزام دوسروں کو ٹھہراؤ. لیکن حالات و واقعات نشاندہی کرتے ہیں کہ کون سچا اور کون جھوٹا ہے. آپ نے دیکھا. مارچ ۷۷ء کے الیکشن میں بلوچستان کے مسئلہ کو اچھال کر مظلوموں کے نام پر حمایت حاصل کرنے کی کوشش کی گئی. اکتوبر میں سب کچھ نظر انداز کر دیا گیا. این ڈی پی ہو یا مسلم لیگ، پیپلز پارٹی ہو یا تحریک استقلال کسی سے کوئی امید وابستہ نہیں کی جا سکتی. لیکن وہ جو یہاں کی نمائندگی کا دعویٰ کرتے تھے. یہاں کے مظلوموں کی سیاست کرتے تھے. انہوں نے کیسے طوطے کی طرح آنکھیں پھیر لی ہیں. چہرے بدل گئے ہیں. حالات میں کوئی تبدیلی نہیں آئی. ان میں سے کچھ لوگوں نے ہم پر الزام لگایا ہے کہ صورتِ حال کو خراب کرنے کی کوشش کر رہے ہیں جب وہ جیلوں میں تھے یہی نعرے لگاتے تھے وہ جد و جہد جاری اور صورتِ حال قائم و دائم ہے لیکن اب کہنا شروع کر دیا ہے کہ نارملائیزیشن کی ضرورت ہے اور یہ شاید اسی طرح حاصل ہو سکتی ہے کہ حقوق کی جد و جہد چھوڑ دیں. آپ ایسے لوگوں کو کس نام سے پکاریں گے. آج بھی عوام کے حقوق کے لئے جد و جہد کی ضرورت ہے. جو حقوق کی بات چھوڑنا چاہتے ہیں وہ عوام سے خود کو کاٹنے کی کوشش کر رہے ہیں. ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ کس کے نظریات و خیالات میں فرق آیا ہے. صرف یہ کہنا کافی نہیں کہ ہم بلوچ ہیں یہ تو یہ فرض ہے کہ ہم بھی یہاں کے ہیں. صرف آپ کہنے سے بات نہیں بنتی ہے کہ چار قومیتوں پر یقین رکھتے ہیں لیکن کہہ نہیں سکتے قانونی پابندی ہے. سیکولرازم اور سوشلزم چاہتے ہیں لیکن کہہ نہیں سکتے. ہم نے کہا ون یونٹ کی مخالفت کرنا بھی ممنوع تھا لیکن آپ نے جد و جہد کی اور ون یونٹ ٹوٹ گیا. فوج کے خلاف بھی کچھ کہنا ممنوع ہے لیکن آپ کہتے رہے ہیں کہ آئین کے بعض آرٹیکل تسلیم نہیں کرتے مگر تو آئین کے خلاف بات کرنا بھی ہے. ہم نے کہا آپ جو نظام کو بدلنے سماج کو بدلنے کی بات کرتے ہو آج قانونی دائروں میں رہتے ہوئے

جد و جہد کے قائل ہو گئے ہیں تو آپ ہی کے دیئے ہوئے سبق کے مطابق یہ منافقت، موقع پرستی اور کیا جد و جہد کو نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں؟ ایک ایسے سٹیج سے جہاں قومیتوں، سیکولرازم اور سوشلزم کے خلاف بات کی جائے، بات کرنا شرم کی بات ہے آخر آپ کیا چاہتے ہیں؟ اقتدار چاہتے ہیں! کیسا اقتدار. ایوب، سکندر، یحییٰ اور بھٹو جیسا اقتدار. یاد رکھیں اگر عوام کی بات کرنی ہے، نظریات کی بات کرنی ہے تو مشکلات کا سامنا کرنا ہوگا. حالات میں آج بھی بنیادی طور پر کوئی تبدیلی نہیں آئی. ملتان اور پٹ فیڈر کے واقعات کس حقیقت کی نشاندہی کرتے ہیں. جیلوں میں ہمارے ساتھیوں سے زیادتیاں جاری ہیں. آج بھی پابندیاں ہیں. کیا اسے آپ جمہوریت کی طرف قدم سمجھتے ہیں. ان چالوں سے دھوکہ نہیں دیا جا سکتا. نہ عوام کو نہ طلبہ برادری کو. ہماری نجات کی ضمانت پی این اے یا پی پی پی نہیں اور نہ ہی ریاستی مشینری کے کل پرزوں سے کوئی توقع ہے. ہمیں اپنا راستہ خود ڈھونڈنا ہے اور منزل کو پانا ہے. یہ دیانتداری سے نظریات پر کاربند رہ کر ہو سکتا ہے. مجھے ساتھیوں سے توقع ہے کہ وہ حالات کو سمجھیں گے. کہتے ہیں حالات نارملائیزیشن کی طرف جا رہے ہیں. بھوکے عوام کو روٹی کا ایک نوالہ دے کر جد و جہد کی راہ سے نہیں ہٹایا جا سکتا. ایسی صورتِ حال کو برداشت نہیں کیا جا سکتا. میرا سر نہیں رہے گا. مجھے اس کا ڈر نہیں ہے.

رازق بگٹی کے بعد سندھ بی ایس او کے صدر مسٹر اسحاق منیری نے تقریر کی اور کہا. دکھ اور فکر کی کوئی بات نہیں. مجید چلا جاتے. عمر چلا جائے. مشکے کے ساتھ اور ہزاروں بلوچ شہید ہو جائیں. ہم حقوق کے لئے جانوں پر کھیل سکتے ہیں. آپ سب مجید اور عمر بیٹھے ہیں. ہم شخصیتوں کے پیچھے بھاگنے والے نہیں. اصولوں کی بات کرتے ہیں. مجھے یقین ہے پورے بلوچستان اور پاکستان کے مظلوم عوام کی نظریں آج کے دن پر لگی ہوئی ہیں کہ دیکھئے نوجوان مستقبل کے لئے کیا راستہ اختیار کرتے ہیں. ہمارے راستے میں جو مداخلت کرے گا کٹ جائے گا پیش قدمی جاری رہے گی.

مجید شہید. عمر شہید. مشکے کے شہدا کو سرخ سلام، سرخ سلام کے نعروں کی گونج میں کھلا اجلاس ختم ہو گیا اور بعد دوپہر بند اجلاس شروع ہو گئے، جو

اسی آڈیٹوریم میں دوسرے روز بھی رات دس بجے تک جاری رہے. سٹیج پر کارل مارکس. لینن. اینجلز کی تصاویر کے علاوہ ایوب خان کے دور میں نوروز خان بلوچ سمیت سات پھانسی اور شہادت پانے والوں کی قدِ آدم فریم میں تصویر بھی رکھی ہوئی تھی. سرخ بینرز پر لکھے ہوئے انقلابی نعرے سٹیج کی رونق بڑھا رہے تھے. بند اجلاسوں میں تنظیمی اور دوسرے مسائل پر بحث مباحثہ ہوا. بند اجلاس ۱۱ سے ۱۲ گھنٹے تک مسلسل جاری رہے اور آئین میں بعض ترامیم کے علاوہ انتخابات پر ختم ہوئے. یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ افتتاحی اجلاس اور انتخابی اجلاس میں صحافیوں کو بھی مدعو کیا گیا تھا لیکن کسی اخبار کا نمائندہ موجود نہیں تھا. مرکزی جنرل سیکریٹری کے لئے حبیب جالب بلا مقابلہ منتخب ہوئے. مرکزی چیئرمین اور نائب چیئرمین کے سوا باقی عہدیداروں. ورکنگ کمیٹی اور کابینہ بھی اتفاق رائے سے منتخب کر لی گئی انتخابی تقاریر بھی بڑی دلچسپ اور جمہوری اقدار کی آئینہ دار تھیں. بند اجلاسوں میں طلبہ مسائل سمیت سیاسی اور معاشی امور پر بھی قرار دادیں منظور کی گئی تھیں. جن میں مستقبل کی جد و جہد کے لئے رہنما اصول واضح ہوتے تھے. بلوچستان کی سب سے فعال طلبہ تنظیم کا قومی کنونشن بلوچستان کی آئندہ سیاست پر کیا اثرات مرتب کرے گا. یہ الگ موضوع ہے.

◆

واحد بشیر

شب رنگ اجالوں سے ضیا مانگنے والو
پاؤ گے نہ کچھ اور بجز داغ ندامت

اشکوں سے دھلی ہے نہ دھلے ظلمتِ حالات
آہوں سے رکی ہے نہ رکے گردشِ ایّام

شکووں سے کبھی دستِ ستم رک نہیں سکتا
فریاد سے سیلابِ بلا تھم نہیں سکتا
تفہیم سے بنیادِ ستم ڈھے نہیں سکتی

تحریر محض شعبدۂ رقصِ قلم ہے
تقریر محض جنبشِ بے فیضِ زباں ھے

جیناھے تو ہر سانس کو اک تیشہ میں ڈھالو
ہر ذرّۂ بے قدر سے خورشید تراشو

نمائندہ الفتح

فیصل آباد

جنہوں نے گھٹنے ٹیک دیئے وہ محفوظ ہو گئے

فکر نہ کرو، اب بھٹو کبھی نہیں آسکتا، حبیب اللہ خان

فیصل آباد کی فضاء پر سکوت طاری ہے شہر اور ضلع سے مارشل لاء کے ضابطہ نمبر ۱۲ - ۹ کے تحت یکم مارچ سے اب تک ڈیڑھ سو سے زائد کارکن نظر بند کیئے جا چکے ہیں متعدد لیڈروں اور کارکنوں کے وارنٹ گرفتاری جاری کیئے جا چکے ہیں جن کی تلاش سرگرمی سے جاری ہے پیپلز پارٹی کے جن عہدیداروں اور امیدواروں نے گھٹنے ٹیک دیئے ہیں وہ محفوظ ہیں اور سیر سپاٹے کر رہے ہیں یا پھر جوشیلے کارکنوں کو بھگانے میں مصروف ہیں۔ کارکن بے آسرا اور بے سہارا ان کی تلاش میں ہیں جو کہتے تھے کہ "مراں گے نال رل کے" بڑے بڑے انقلابی کراچی کی روشنیوں میں روپوش ہو گئے ہیں یا لاہور کی رنگین اونچے درجہ کی سوسائٹیوں میں مگن ہیں پھر بھی جیالوں نے بھٹو صاحب کی حمایت میں ایک مظاہرہ کر ڈالا نتیجے میں ۲۷ خواتین اور آٹھ مرد کارکن گرفتار ہوئے مردوں کو سزائیں معہ کوڑوں کے سنادی گئی ہیں جبکہ چند خواتین جن میں رضیہ سلطانہ اور ضلعی سیکرٹری شعبہ خواتین زبیدہ ملک نظر بند کر دی گئی ہیں۔ باقی خواتین کو ۱۶- ایم پی او کے تحت گرفتار کیا گیا جن میں سے ۲۱ کو مقامی مجسٹریٹ نے ضمانت پر رہا کر دیا جبکہ زبیدہ بیگم رضیہ بیگم کی ضمانتوں کی درخواستیں مسترد کر دی گئیں۔ اسوقت تک پارٹی کے جو امیدواران گرفتار ہیں یا ان کے وارنٹ گرفتاری جاری ہیں ان میں احمد سعید اعوان، بدرالدین چودھری، چودھری محمد حسین اور غیاث الدین جانباز شامل ہیں ویسے تو نرگس نعیم اور انور خان بلوچ بھی اپنے گھروں میں نظر بند ہیں لیکن ان کے گھروں پر پولیس کے پہرے نظر نہیں آتے ملنے ملانے میں کوئی دقت نہیں ہے۔

اب آیئے آپ کو چیف مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر کے مشیر برائے صنعت و تجارت لیفٹیننٹ جنرل حبیب اللہ کے دورہ فیصل آباد کی کہانی سنائیں۔ ۲۲ سرمایہ دار خاندانوں کے نمائندہ جنرل حبیب اللہ مارچ کے آخری ہفتہ کے اوائل میں آئے مخصوص مزدور لیڈروں، تاجروں، سرمایہ داروں سے خطاب کیا۔ پیداوار بڑھانے کی باتیں کیں۔ سرمایہ دار اور مزدور کے مابین اچھے تعلقات پر زور دیا۔ اس محفل میں چیمبر آف کامرس کے صدر اور فیصل آباد کے چھوٹے سرمایہ داروں کے نمائندے سید نذر حسین شاہ نے کہا کہ جناب بڑے سرمایہ داروں کو تو بہت رعاتیں دی جا رہی ہیں لیکن پاور لومز والوں کو کوئی رعایت نہیں، اس طرح بات نہیں بنے گی۔ جنرل صاحب نے انہیں عرضداشت پیش کرنے کی ہدایت کی اور محفل برخاست ہو گئی۔ رات کو چناب کلب میں بڑے سرمایہ داروں نے مشیر صنعت کے اعزاز میں عشائیہ دیا جہاں انہوں نے نہیں طور پر بڑی راز داری سے کہا کہ "فکر نہ کرو اب بھٹو کبھی نہیں آسکتا۔" مزدوروں کی ہم چمڑی ادھیڑ دیں گے انہیں سیدھا کر دیں گے ان کا دماغ بہت کمزور ہے ایک سرمایہ دار نے کہا کہ جناب والا سید نذر حسین شاہ جو بڑھ چڑھ کر باتیں کر رہا تھا پیپلز پارٹی کا ایجنٹ ہے جنرل صاحب اسے کہنے لگے اسے چھوڑو اور فکر نہ کرو۔ سید نذر حسین پیپلز پارٹی کا اسی قسم کا دلال ہے جس قسم کے دلال بھٹو کے اقتدار میں ملک کے سبھی سرمایہ دار تھے جب بھٹو کا اقتدار ہی نہ رہا تو بھلا نذر حسین شاہ کو پیپلز پارٹی سے کیا دلچسپی۔ لیکن کیونکہ چھوٹے سرمایہ دار نے اپنے طبقاتی مفاد میں بڑے سرمایہ دار طبقے پر حملہ کیا تھا لہٰذا وہ پیپلز پارٹی کا ایجنٹ ٹھہرا۔ اور بڑے سرمایہ داران کے ایجنٹ جو انہیں مستقبل میں نیشنلائزیشن نہ کرنے کی آئینی ضمانت پر تیار بیٹھے ہیں۔

بقیہ:- فتحیاب علی خان

وجوہات

۱۔ کہ ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کا فرمان ۱۹۷۳ء کے دستور کے خلاف ہے عام انتخابات منعقد کرنے کا عہد توڑا گیا ہے اس لیئے دستور سے انحراف جسے بیگم نصرت بھٹو مقدمے میں اس معزز عدالت نے جائز قرار دیا تھا۔ کا مقصد فوت کیا جا چکا ہے مذکورہ انحراف کو اب کوئی تحفظ حاصل نہیں۔ جاری قوانین کا حکم ۱۹۷۷ء (LAWS CONTINANCE IN FORCE, 1977) بھی ۱۹۷۳ء کے دستور کے خلاف ہے

۲۔ کہ مدعا علیہ نمبر ۲ کے جاری کردہ تمام مارشل لاء ضابطے اور احکام اور تمام افراد جو انکے ذریعے عمل یا دعویٰ کرتے ہیں وہ بھی غیر دستوری ہے

۳۔ کہ ۱۹۷۳ء کے دستور کے آرٹیکل ۲۳۲ کے تحت بنیادی حقوق کی معطلی مذکورہ آرٹیکل اور اس معزز عدالت کے فیصلے کی شرائط کے تحت بھی جائز بنیاد کھو چکی ہے مدعا علیہ نمبر ۲ درخواست گذار اور پاکستان کے شہریوں کو انکے بنیادی حقوق سے محروم کرنے اور ان پر اپنی یکطرفہ حکومت کو غیر معینہ عرصے کے لیئے مسلط رکھنے کے لیئے آرٹیکل ۲۳۲ یا فیصلے پر مزید انحصار نہیں کر سکتے۔

۴۔ کہ پاکستان پہلے ہی بنیادی حقوق کی معطلی اور ان سے محرومی کی وجہ سے بے پناہ نقصان اٹھا چکا ہے ملک میں پیدا ہونے والی کسی بھی صورتحال سے نمٹنے کے لیئے کئی قوانین بشمول ہنگامی نوعیت کے قوانین موجود ہیں بنیادی حقوق کی معطلی بدنیتی پر مبنی ہے اور حالات کے تحت انتشار اور الجھاؤ جب چیف آف دی آرمی اسٹاف کی شخصی حکومت کو جاری رکھنے اور پاکستان کے عوام کی جمہوری جدوجہد کو ناکام بنانے کے لیئے استعمال کیا جا رہا ہے۔

۵۔ کہ منصفانہ اور آزادانہ عام انتخابات کا فوری انعقاد، احتساب کی بناء پر انہیں ملتوی کرنے کی بہ نسبت اب ریاستی ضرورت ہے۔

۶۔ کہ درخواست گذار اس معزز عدالت سے اجازت کا طالب ہے کہ اس درخواست کی سماعت کے موقعہ پر مزید اور اضافی وجوہات پیش کرے۔

استدعا

بناء بریں درخواست گذار حسب ذیل استدعا کرتا ہے۔

۱۔ اعلان کہ ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کے فرمان کو نظریہ ضرورت کا مزید تحفظ حاصل نہیں ہے اور دستور سے انحراف کا دور اب مزید مؤثر نہیں ہے۔

(ii) مدعا علیہان کو ہدایت کہ تمام مارشل لاء ضابطے اور احکام واپس لیں۔

(iii) مدعا علیہان کو ہدایت کہ ۱۹۷۳ء کے دستور کی شرائط کے مطابق فوری عام انتخابات منعقد کرائیں۔

(iv) کوئی اور سہولت جسے یہ معزز عدالت [illegible] اور مناسب تصور کرے۔

اور کسانوں پر جو ظلم ہو رہا ہے وہ کسی سے ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ بھٹو صاحب کے لیے جو رحم کے پیغامات بھیجے گئے ان کے جواب میں مالحین اعتراض کرتے ہیں کہ یہ ہمارے اندرونی معاملات میں مداخلت کے مترادف ہے جبکہ سی ایم ایل اے نے کہا کہ یہ ہمارے اندرونی معاملات میں مداخلت نہیں ہے ہم مولانا مفتی محمود، مولانا مودودی اور دوسرے صالحین سے پوچھتے ہیں کہ کیا رحم کرنا بھی اسلام میں جائز نہیں ہے جب مولانا مودودی صاحب کو پھانسی مل رہی تھی۔ تب آپ نے یہ نہیں کہا کہ مودودی کو پھانسی نہ دو بھٹو کا قصور یہ بھی ہے کہ اس نے اسلام کی بے لوث خدمت کی جس کا ثبوت خود عرب ممالک ہیں جنہوں نے ہر پیغام میں اس بات کا اعتراف کیا ہے عوام جانتے ہیں کہ اس پابندی سے آپ خود فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ ۳۱ سالوں سے آپ لوگوں نے اقتدار کی کوشش کی لیکن آپ کامیابی حاصل نہ کر سکے کیونکہ ہم سامراج ٹولے کو جانتے ہیں اس لیے اب آپ کو سنہری موقعہ مل گیا اس لیے آپ تری حکومت میں شامل ہونے کے لیے سر توڑ کوشش کر رہے ہیں۔ مولانا صاحب بالکل مفتی نہ بنیں یہ ضرور یاد رکھیئے کہ دنیا فانی ہے قیامت ضرور آنی ہے اور روزِ قیامت ہم اللہ کے حضور، آپ کا گریبان پکڑیں گے کہ آپ نے اپنے نفس کی خاطر، سامراجیوں سے ملکر ایک بے گناہ کو شہید کرنے کے درپے ہیں جس نے اسلام کی خدمت کی ہے آپ بزرگ دین ہیں اس لیے گذارش ہے کہ سامراج کو چھوڑ کر خدا شناس کر کے حقیقی اسلام کی خدمت کریں۔ اور ایک بے گناہ کو شہید کرانے سے باز آئیں۔

خان محمد منیو، رپھر پارکر سندھ

یہ ہنگامے کیوں

احمد رضا قصوری کے والد کے قتل کے الزام میں بھٹو کو ملک کے قانون اور عدالتِ عالیہ کے جج صاحبان کے منصفانہ فیصلے کے ذریعے اپنے کیے ہوئے گناہ کی سزا مل گئی ہے لیکن عدالتِ عالیہ کے اس منصفانہ فیصلے کے خلاف اکا دکا ہنگاموں اور احتجاج کی کیا تک ہے پیپلز پارٹی کے کرتا دھرتا جنہوں نے بھٹو کی مدد سے قومی خزانے کو دونوں ہاتھوں سے بری طرح لوٹا تھا اپنے آقا کا برا انجام دیکھ کر خود تو گھروں میں چھپے بیٹھے ہیں لیکن غریب کارکنوں کو قربانی کا بکرا بناتے ہوئے ملک میں انتشار پیدا کر کے احتساب سے بچنے کی کوشش کر رہے ہیں بھٹو کو سیاسی وجوہات پر نہیں بلکہ ملک کے قانون کے مطابق عدالتِ عالیہ سے قتل کے جرم میں سزا دی گئی ہے بھٹو اپنے انجام کو پہنچ چکا ہے اب اپنے انجام سے دنیا کی کوئی بھی طاقت نہیں بچا سکتی ہے کیونکہ قدرت اس سے اپنا انتقام لے رہی ہے۔

سید سبز علی شاہ، سنٹرل جیل پشاور

سامراج دشمن ترجمان

الفتح میری معلومات اور انقلابی شعور میں اضافہ کا باعث ہے یہ ایک ایسا ہفت روزہ ہے جو ملک کے مزدوروں، کسانوں، طالب علموں اور سامراج دشمن انقلابی عناصر کی صحیح ترجمانی کر رہا ہے اس کا مطالعہ ہر طبقاتی سیاست کرنے والے کارکن انتہائی شوق سے کرتے ہیں۔ اس کے لیے جناب ارشاد راؤ، جناب وہاب صدیقی اور جناب واحد بشیر صاحب مبارکباد کے مستحق ہیں

غلام نبی کلو۔

محنت کشوں پر تشدد

ملتان اور پٹ فیڈر میں مزدوروں اور کسانوں کو گولیوں کا نشانہ بنانے والے تو سینہ تان کر پھر رہے ہیں لیکن جو مزدور لیڈر یا کارکن کسان ان شہید کسانوں یا مزدوروں کے لیے آواز اٹھا رہے ہیں ان کو جیلوں میں بند کیا جا رہا ہے اور ان کو قید سخت اور کوڑوں کی سزائیں دی جا رہی ہیں پٹ فیڈر کے کسانوں کی شہادت کے سلسلہ میں دو وفد کراچی اور حیدرآباد آئے تھے لیکن ان کو مقامی انتظامیہ نے گرفتار کر لیا۔ اور پہلے وفد کے اٹھارہ کان کو مختلف میعاد کی سزائیں دی ہیں۔ اب دوسرے وفد جس میں دو خواتین بھی شامل تھیں۔ ان کو بھی گرفتار کر لیا گیا کتنے افسوس کا مقام ہے کہ جن لوگوں نے کسانوں پہ گولیاں چلائیں اور کسانوں کو شہید کیا۔ وہ لوگ تو آج بھی حکومت کی محفلوں میں شریک ہو رہے ہیں اور جن کے گھر اجڑ گئے ہیں ان کو ان کے خون پسینے سے تیار کیا ہوا اناج بھی نہیں دیا جا رہا ہے۔ کیا یہ انصاف ہے؟ ملتان کے واقعہ میں ملوث اشخاص کو فوراً گرفتار کر کے ان پر کھلی عدالت میں مقدمہ چلایا جائے اور ان کو پھانسی کی سزا دی جائے۔ اور ہلاک ہونے والوں کی فی کس ایک ایک لاکھ روپیہ ادا کیا جائے۔ اور ملتان کے جن مزدوروں کو قید اور کوڑوں کی سزائیں دی گئی ہیں ان کو فوراً ختم کیا جائے اور ان مزدوروں کو رہا کیا جائے پٹ فیڈر کے کسانوں کے قاتلوں کو فوراً گرفتار کیا جائے اور محمد رمضان جوائنٹ سیکرٹری پاکستان ورکرز فیڈریشن اور غلام اکبر، عمر دین، پیر بخش، سامت احمد حسین ہزار خان، گلزار خان ڈومکی، غلام قادر کو فوجی عدالت نے جو سزائیں دی گئی ہیں ختم کر کے ان کو رہا کیا جائے۔ اور آصفہ رضوی سیکرٹری مزدور کسان طلبا عوامی رابطہ کمیٹی کراچی کی قیادت میں جو وفد پٹ فیڈر گیا تھا ان کو بھی گرفتار کر لیا گیا ہے حمیدہ گھانگرو، حیدرآباد، محمد سلیم، محمد الطاف اور محمد اکبر، محمد اکبر اور محمد نواز اور دیگر مقامی کسان رہنما اور کارکنوں کو فوراً رہا کیا جائے ملک میں بڑھتی ہوئی چھانٹیوں برطرفیوں اور بے دخلیوں کو فوراً بند کیا جائے۔ ایسا نہ ہو کہ مزدور متحد ہو کر کارخانوں اور اداروں کا نظام سنبھال لیں اور پھر اس اقدام کو کوئی نہیں روک سکتا۔

نواز بلوچ، حبیب الرحمان
جنرل سیکرٹری بلوچستان لیبر فیڈریشن کوئٹہ

نشتر میڈیکل کالج

۱۔ مستقل سپلی سکیم انتہائی بدنام اسکیم ہے جس کو ختم کرنے کے لیے پنجاب کے تمام میڈیکل کالجوں نے مل کر ہڑتال کی تھی۔ چنانچہ ایم بی بی ایس کے طلبہ پر اس کا اطلاق روک دیا گیا۔ لیکن بی ڈی ایس کے طلبہ ابھی تک اس کا نشانہ بن رہے ہیں ہمارا مطالبہ ہے کہ طلبہ کا مستقبل برباد کرنے والی اس سازش کو فی الفور منسوخ کیا جائے۔ بی ڈی ایس کے سالانہ امتحان دسمبر کے تیسرے ہفتے میں ہوئے تھے لیکن تین ماہ کے بعد بھی نتائج کا اعلان نہیں کیا گیا۔ جبکہ لاہور ڈینٹل کالج کا سپلیمنٹری امتحان ہے۔ نشتر ڈینٹل سیکشن کے لیے سپلیمنٹری امتحان ہونا ابھی باقی ہے خطرہ ہے کہ یونیورسٹی سالانہ امتحان کے نتائج میں تاخیر کر کے سپلیمنٹری کا چانس ختم کرنے کی کوشش کرے گی اگر ایسا ہوا تو طلبہ کے لیے ناقابل برداشت ہو گا۔ اس لیے ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ سالانہ امتحان کا نتیجہ جلد از جلد نکالا جائے اور سپلیمنٹری امتحان منعقد کرنے کا انتظام کیا جائے۔

۳۔ ڈینٹل سیکشن کی ہر کلاس میں بائیس طلبہ پڑھتے ہیں۔ لیکن ہاؤس جاب کی صرف دو آسامیاں ہیں۔ ہمارا مطالبہ ہے کہ ہاؤس جاب کے لیے کم از کم 5 سیٹیں بنائی جائیں۔

۴۔ ڈینٹل سیکشن میں تین اسوسیایٹ اور دو اسسٹنٹ پروفیسروں کی آسامیاں ہیں لیکن صرف ایک اسوسیایٹ پروفیسر کام کر رہے ہیں۔ اور پرنسپل صاحب کی کوشش میں ایک اور اسسٹنٹ پروفیسر تبدیل ہو کر آ رہے ہیں ہمارا مطالبہ ہے کہ مطلوبہ باقی آسامیاں بھی جلد پوری کی جائیں۔

۵۔ موجودہ فائنل ایر کے لیے سٹاف اور لیبارٹری سامان کی شدید قلت ہے اس بات کا خدشہ ہے کہ ایک سال تک ہمیں نشتر کالج یونین میں نمائندگی دی جائے۔ ۷۔ اکثر ڈینٹل یونٹ قابل استعمال حالت میں نہیں ہیں انہیں فی الفور قابلِ استعمال بنایا جائے۔ ۸۔ نشتر ڈینٹل کالج میں علیحدہ فنڈ مطلوبہ لیبارٹری کا سامان فرنیچر لائبریری کتب اور سٹاف مہیا کر کے اسے ہر لحاظ سے لاہور ڈینٹل کالج کے معیار کے برابر کا درجہ دیا جائے۔ ۹۔ ڈینٹل سٹوڈنٹس کو ایم بی بی ایس کے طلبہ کی طرح فیس میں رعایت اور وظائف کی سہولتیں مہیا کی جائیں۔ مطلوبہ ضروریات مہیا نہیں ہوں گی بعض قوتیں اس بات کی سازش کر رہی ہیں۔ کہ طلبہ مجبور ہو کر اس کلاس کو لاہور منتقل کرنے کا مطالبہ کریں اور ملتان کے لوگ اس اہم شعبہ کی سہولت سے محروم ہو جائیں گے۔ چنانچہ ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ مطلوبہ سامان سٹاف اور سامان لیبارٹری فی الفور مہیا کیا جائے تاکہ فائنل ایر کو لاہور منتقل نہ کرنا پڑے۔

۶۔ گزشتہ چار سال سے یونین فنڈ دیا جا رہا ہے لیکن نہ ہماری یونین بنے دی گئی اور نہ ہی نشتر کالج کی یونین میں ہمیں کوئی نمائندگی دی گئی۔ انہوں نے مزید کہا کہ ان تمام مسائل کا جلد حل کیا جانا انتہائی ضروری ہے نشتر کالج اسٹوڈنٹس یونین نے ہمیں مکمل تعاون کا یقین دلایا ہے اگر چند روز میں مسائل حل نہ ہوئے تو ہم نشتر کالج کے طلبہ کو اپنی جدوجہد میں شریک کرنے پر مجبور ہوں گے۔

قاسم رضا، میاں رشید، زاہدہ خاتون
محبوب عابد، نصر اللہ نیازی، منظور نقوی
سجاد شبر روز

ریلوے اور مزدور

ریلوے کے مزدور پچھلے کئی سالوں سے اپنے حقوق کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں اور ریلوے حکام کو انہوں نے مطالبات کا نوٹس بھی دیا ہے لیکن ریلوے انتظامیہ نے چند چھوٹے چھوٹے مطالبات کے سوا مزدوروں کے کسی بنیادی مطالبے کو تسلیم نہیں کیا۔ اور لیت و لعل سے کام لیتی رہی ہے پچھلے نو ماہ سے مزدوروں سے ہڑتال کا حق چھین لیا گیا ہے جلسے جلوسوں پر پابندیاں عائد کر دی گئی ہیں لیکن ان نو ماہ میں مہنگائی آسمان سے باتیں کرنے لگی ہے سرمایہ داروں کو کھلی چھٹی ہے کہ وہ دونوں ہاتھوں سے عوام کو لوٹ لیں۔
سرمایہ داروں کے منافع سے جب مزدور اپنا حصہ مانگتے ہیں تو ان پر گولیوں کی بوچھاڑ کی جاتی ہے جہاں بھی مزدوروں نے اپنے حقوق کے لیے جدوجہد کی انہیں کوڑوں کی ظالمانہ سزا دی گئی اور ان کا منہ بند کر دیا گیا۔ ریلوے کے مزدور پاکستان کے دوسرے مزدوروں سے علیحدہ نہیں ہیں پاکستان بھر کے مزدوروں کے مفادات ایک ہیں مزدوروں کو صرف ان کا فرض بتایا جاتا ہے ان کے حقوق کی بات نہیں کی جاتی۔ ہم ریلوے انتظامیہ کو انتباہ کرتے ہیں کہ وہ یونین کے پیش کردہ مطالبات کو فوری طور پر تسلیم کرے

ریلوے ورکرز یونین لوگنڈا ہاؤس۔ لاہور